# مخزن نکات

یعنی

تذکرۂ شعرائے اردو، تصنیف شیخ محمد قیام الدین قائمؔ

مع

مقدمہ و انتخاب کلام قائمؔ

مرتبہ

مولوی عبدالحق صاحب بی۔اے سکرٹری انجمن ترقی اُردو

سنہ ۱۹۲۹ ع

انجمن ترقی اُردو کے مطبع اُردو باغ اورنگ آباد دکن

میں چھپا

# انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد (دکن)

اپنے اُن مہربان معاونین کی فہرست مرتب کر رہی ہے جو اس بات کی عام اجازت دیدیں کہ آئندہ جو کتاب انجمن سے شائع ہو، وہ بغیر اُن سے دوبارہ دریافت کئے تیار ہوتے ہی اُن کی خدمت میں بذریعہ وی - پی روانہ کردی جایا کرے - ہمیں اُمید ہے کہ قدر دانان زبان اُردو ہمیں عام طور پر اس قسم کی اجازت دیدیں گے کہ اُن کے اسمائے گرامی اس فہرست میں درج کرلئے جائیں اور انجمن سے جو نئی کتاب شائع ہو فوراً بغیر دوبارہ دریافت کئے روانہ کردی جایا کرے - یہ انجمن کی بہت بڑی مدد ہوگی اور آئندہ اسے نئی نئی کتابوں کے طبع کرنے میں بڑی سہولت ہوجائے گی - ہمیں اُمید ہے کہ ہمارے معاونین جو اُردو کی ترقی کے دل سے بہی خواہ ہیں اس اعانت کے دینے میں دریغ نہ فرمائیں گے — اِن معاونین کی خدمت میں کُل کتابیں جو آئندہ سے شائع ہوں گی وقتاً فوقتاً چوتھائی قیمت کم کرکے روانہ ہوں گی —

المشتہر

انجمن ترقی اُردو - اورنگ آباد ( دکن )

شیخ محمد قیام الدین (قائم) چاند پور ضلع بجنور کے رهنے والے تھے۔ ان کا نام مختلف تذکرہ نویسوں نے کسی قدر اختلاف سے لکھا ہے۔ مثلاً میر صاحب اپنی (نکات الشعرا) میں اور میر حسن اپنے تذکرے میں محمد قائم لکھتے هیں۔ علی ابراهیم اور 'لطف' نے بھی اسی کی تقلید کی هے - مصحفی نے قیام الدین علی لکھا هے - کردیزی بھی محمد قائم هی لکھتا هے کہاں اور گارسان دتاسی قائم الدین بتاتے هیں - لیکن اصل نام محمد قیام الدین هی هے، جیسا کہ خود انھوں نے اس تذکرے کے شروع میں لکھا هے - میر صاحب اور مصحفی ان سے ذاتی طور پر واقف تھے --

اگرچہ 'قائم' چاند پور کے رهنے والے تھے، لیکن ملازمت کے سلسلے میں "بدو شعور" سے اُن کا رهنا دلی میں هوا۔ شاہ عالم بادشاہ کے عہد میں وہ شاهی توپ خانے کے داروغہ هوگئے - چنانچہ یہ تذکرہ بھی اُسی زمانے میں لکھنا شروع کردیا تھا جب کہ ان کا قیام دلی میں تھا - جب وہ دلی پہنچے هیں تو میر تقی، خواجہ میر درد، سودا وغیرہ جیسے باکمال استاد وهاں موجود تھے اور اردو شاعری شباب پر تھی - کہتے هیں کہ ابتدا میں خواجہ میر درد سے اصلاح لی مگر کچھ دنوں بعد مرزا رفیع السودا کے تلمذ کا شرف حاصل کیا آزاد آب حیات میں لکھتے هیں کہ "یہ اول شاہ هدایت کے شاگرد هوے، اُن سے

ایسی بگڑی کہ ہجو کہی - تعجب یہ ہے کہ شاہ موصوف باوجودیکہ حد سے زیادہ خاکساری طبیعت میں رکھتے تھے مگر انھوں نے بھی ایک قطعہ اُن کے حق میں کہا - پھر خواجہ میر درد کے شاگرد ہوئے' اُن کے حق میں بھی کچھ سن کے الگ ہوئے - پھر مرزا کی خدمت میں آے اور اُن سے پھرے' مرزا تو مرزا تھے' انھوں نے سیدھا کیا'' اگرچہ اس تذکرے میں انھوں نے میاں ہدایت اللہ 'ہدایت' اور خواجہ میر درد دونوں کی بہت تعریف کی ہے اور کہیں ملال کا اظہار نہیں کیا' لیکن اپنی شاگردی اور مشورے کا بھی ذکر نہیں کیا - البتہ ان کا دیوان دیکھنے پر ایک غزل میں یہ اشعار نظر آئے جن سے آزاد کے قول کی تصدیق ہوتی ہے-

حضرت درد کی خدمت میں مرا ... نے*
عرض کی یوں کہ اے اُستاد زماں سنتے ہو
امر ہووے تو ہدایت کو کروں میں سیدھا
واں سے ارشاد ہوا یہ کہ میاں سنتے ہو
راست ہوتے ہیں کسو سے بھی کبھی کج طینت
تیر بنتی ہے کہیں شاخ کماں سنتے ہو

مرزا کے حال میں بھی اگرچہ اپنی شاگردی کا اشارہ نہیں کرتے' مگر ذکر اس طرح سے کیا ہے جو ایک سعادت مند شاگرد کے شایاں ہے - اور اپنی غزل کے ایک مقطع میں تو صاف صاف اس کا اقرار کیا ہے :-

(قائم)یہ فیض حضرت (سودا) ہے ورنہ میں
طرحی غزل سے (میر) کے آتا تھا بر کہیں

---

* اصل نسخے میں اسی طرح لکھا ہے یہاں کوئی لفظ رہ گیا ہے -

لیکن کچھ عرصے بعد جب امور سلطنت میں اختلال پیدا ہوا اور امن و امان اور فارغ البالی جاتی رہی تو وہ باکمال بھی جن کی بدولت دلی دلی تھی، ایک ایک کرکے رخصت ہونے لگے اور وہ صحبتیں جو شعر و سخن کی جان تھیں، خواب و خیال ہوگئیں - قائم بھی دل برداشتہ ہوکر وطن چلے آئے اور کچھ دنوں ٹانڈے میں نواب محمد یار خاں کی سرکار میں بسر کی - مصحفی بھی اُن دنوں اسی سرکار کے متوسل تھے - دونوں کی ملاقات یہیں ہوئی - مصحفی لکھتے ہیں کہ اُس وقت وہ لباس درویشی میں تھے - نواب بڑی فیاضی سے اہل علم کی سرپرستی کرتے تھے اور شعر و سخن سے خاص ذوق رکھتے تھے - چنانچہ قائم نے اپنی غزل کے ایک مقطع میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے :-

تجھ کو قائم رکھے اللہ بہت سا اے 'امیر'

مجتمع سایہ میں ہیں جس کے سخنداں اقلیم

امیر، نواب محمد یار خاں کا تخلص تھا - تین ماہ سے زیادہ نہ رہنے پائے تھے کہ یہاں وہی انقلاب رونما ہوا جو ہندوستان میں اس وقت ہرجگہ بپا تھا - قائم مجبور ہوکر رام پور چلے گئے اور نواب فیض اللہ خاں والیء رام پور کے بیٹے احمد یار خاں نے اُن کی کچھ تنخواہ مقرر کردی اور فوجی خدمت انجام دیتے رہے - لیکن اس تنخواہ میں ان کی بسر نہ ہوتی تھی، جب زیادہ پریشان ہوے تو لکھنؤ پہنچے اور راجہ ٹکیت رائے سے اپنے وطن کے عامل کے نام شقےا اور پروانے حاصل کئے تاکہ اپنی قدیمی ملک اور یومیہ بحال کرائیں - اس میں

انھیں کامیابی ہوئی مگر رام پور پہنچتے ہی اجل نے آلیا اور سنہ ۱۲۰۸ھ میں انتقال کرگئے۔

ان کے سنہ وفات میں بہت اختلاف ہے۔ مصحفی نے وفات کا کوئی سنہ نہیں لکھا، صرف اتنا لکھا ہے کہ رام پور سے انتقال کی خبر پہنچی۔ مصحفی کا تذکرہ ۱۲۰۷ - ۱۲۰۸ھ میں لکھا گیا ہے۔ علی ابراہیم (اور لطف) فیلن اور کریم الدین نےسنہ ۱۲۱۰ھ بتایا ہے۔ 'شیفتہ' اور بعض اور تذکرہ نویسوں نے بھی اسی کو نقل کر دیا ہے۔ گارساں دتاسی نے سنہ ۱۲۰۷ھ لکھا ہے۔ 'جرأت' نے 'قائم' کے انتقال کی تاریخ اس شعر سے نکالی ہے:—

جرأت نے کہی یہ رو کے تاریخ وفات          یکتائی کے ساتھ
'قائم' بنیاد شعر ہندی نرہی          کہا کہئے اب آہ

اس مصرع سے سنہ ۱۲۰۸ھ ہی نکلتے ہیں اور یہی صحیح ہے —

'قائم' کی شاعری کی سب تذکرہ نویسوں نے تعریف کی ہے اور اکثر نے میر و مرزا کے بعد اسی کو مانا ہے۔ بعض تو اسے 'سودا' سے بھی بڑھ کر مانتے ہیں۔ مصحفی لکھتے ہیں:—

"در پختگی کلام و چستی مصراع غزل و رویۂ قصیدہ و مثنوی وغیرہ موافق رواج زمانہ دوش بدوش استاد راہ می رود، بلکہ در بعضے مقام غلبہ می جوید" —

علی ابراہیم یا لطف کہتے ہیں:—

"سچ تو یہ ہے کہ بعد سودا اور میر کے کسی

ریختہ گو کی نظم کا نہیں یہ اسلوب ہے ' راقم
آثم کو تو طور گویائی کا اس سخن آفریں کے
نہایت مرغوب ہے " —

آزاد کی رائے ہے کہ

" ان کا دیوان ہرگز میر و مرزا کے دیوان سے
نیچے نہیں رکھہ سکتے مگر کیا کیجے کہ قبول عام
کچھہ اور شے ہے ' شہرت نہ پائی" —

میر ' حسن ' فرماتے ہیں کہ

"طرزش بطرز طالب آملی میماند۔ مثنوی ہا بسیار
گفتہ و بسے در ہائے معانی سفتہ کہ کسے کم گفتہ"۔

کریم الدین ( فیلن ) کی رائے ہے کہ

" عجب طرح کا شاعر خوش گفتار ' بلند مرتبہ'
موزوں طبع' عالی میقدار ہے کہ اس کی برابری
اچھے اچھے شاعر نہیں کر سکتے ......... بعض بعض
آدمی جو کہ اس کو ' سودا ' سے بہتر کہتے ہیں'
حق یہ ہے کہ سچے ہیں اور بعضے کم مایہ اور
بے استعداد جو اس کو برابر ' سودا ' کے گنتے ہیں
خیال سودا اور دیوانگی کا کرتے ہیں " —

بخلاف اس کے شیفتہ کی رائے میں اِنھیں ' سودا ' کا ہم پلہ
سمجھنا سودا ہے - البتہ وہ ان کے قطعات و رباعیات کی
بہت تعریف کرتے ہیں —

اس میں شک نہیں کہ ' قائم' بہت بڑا شاعر ہے' لیکن اسے
میر و مرزا کا ہم رتبہ کہنا سراسر نا انصافی ہے - اس کا

کلام ہر صنف میں موجود ہے - غزلی ' رباعی ' قطعہ ' مثنوی' قصیدہ' ترکیب بند ' تاریخ سب کچھ کہا ہے - ہجو کہنے اور فحش بکنے میں وہ اپنے استاد کے ہم پلہ ہے - متعدد مثنویاں لکھی ہیں' جن میں بعض قصے سلیقے سے نظم کئے ہیں ' قصیدوں میں بھی زور پایا جاتا ہے —

اکثر تذکرہ نویسوں نے اُن کے تذکرۂ شعرا کا ذکر کیا ہے' جو اب تک نایاب تھا اور اب شائع کیا جا تا ہے - ' قائم ' کا دعویٰ ہے کہ اس سے قبل کوئی تذکرہ شعراے ریختہ کے بیان میں نہیں لکھا گیا - یہ دعویٰ صحیح نہیں معلوم ہو تا کیو نکہ اس سے دو چارسال قبل میرتقی میر اور علی الحسینی الکردیزی نے اپنے تذکرے لکھے تھے' معلوم ہوتا ہے کہ 'قائم' کو ان تذکروں کی اطلاع نہ تھی' لیکن ڈاکٹر شپرنگر کا یہ کہنا کہ 'قائم' نے جو اقتباسات ریختے کے شاعروں کے دیے ہیں' وہ وہی ہیں جو کردیزی کے تذکرے میں پائے جا تے ہیں' صحیح نہیں ہے - دونوں تذکرے ہمارے سامنے ہیں ' اشعار کے انتخابات اور حالات دونوں مختلف ہیں —

خواجہ اکرم نے اس تذکرے کے لئے ایک قطعۂ تاریخی لکھا تھا جس میں مادۂ تاریخ "مخزن نکات" تھا' 'قائم ' کو یہ مادہ پسند آ یا اور تذکرے کا یہی نام رکھ دیا - اس سے سنہ تالیف ۱۱۶۸ھ نکلتاہے- اس میں ' قائم' سمیت ۱۱۴ شعرا کا تذکرہ ہے - اگرچہ یہ تذکرہ مختصر ہے ' مگر بعض حالات کے لحاظ سے بہت قابل قدر ہے - قائم نے اسے تین حصوں میں تقسیم کیا ہے- طبقۂ اول میں متقدمین کا ' طبقۂ دوم میں متوسطین کا اور

طبقۂ سوم میں متاخرین کا ذکر ہے - اگرچہ میر تقی میر نے بھی اپنے تذکرۂ نکات الشعرا میں دکن کے شعرا کا ذکر کیا ہے، لیکن قائم نے اس کا زیادہ اہتمام کیا ہے ۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ

"باید دانست کہ چوں فن ریختہ درآں وقت از محل اعتبار ساقط بود، بناءً علیہ ہیچ کس بر تو غل آں اقدام نمی نمود، ایں دوسہ چار بیت کذائی کہ بنام اساتذۂ معتبر مرقوم است اغلب کہ منشاے نظمش ہزلے بیش نباشد، اما بعد ازیں بسمت بلاد دکھن در عہد عبداللہ قطب شاہ کہ با سخنوراں بہ صحبت و مواسا پیش می آمد، ریختہ گفتن بزبان دکھنی بسیار رواج گرفت" —

اگر چہ عبداللہ قطب شاہ کے عہد سے اس کی ابتدا قرار دینا صحیح نہیں کیونکہ اس سے قبل سلطان قلی قطب شاہ اور محمد قلی قطب شاہ خود بڑے شاعر گزرے ہیں، تاہم 'قائم' نے دکھنی ریختے کو خاص اہمیت دی ہے - اگرچہ وہ اس شاعری کے زیادہ قائل نہ تھے، چنانچہ ان کا شعر مشہور ہے:—

قائم میں غزل طور کیا ریختہ ورنہ
ایک بات لچر سی بزبان دکنی تھی

قائم نے طبقۂ اول کی ابتدا شیخ سعدی شیرازی سے کی ہے اور لکھا ہے کہ اس پر جمہور کا اتفاق ہے کہ جب شیخ سعدی گجرات میں تشریف لاے اور جیسا کہ 'بوستاں' میں مذکور ہے سومنات کی مجاوری تو یہاں زباں سے واقفیت حاصل کر کے ایک دو غزلیں ریختے میں لکھیں - اگر چہ یہ صحیح نہیں

معلوم ہوتا ' لیکن سعدی کے نام سے جو ایک مشہور غزل فارسی اردو کی ملی جلی چلی آرہی ہے ' اس کی نسبت عام طور پر یہی خیال تھا کہ شیخ سعدی شیرازی کی تصنیف ہے ۔ میر صاحب نے اپنے تذکرے میں اس خیال کی تردید کی ہے۔ سعدی کے بعد امیر خسرو کا ذکر کیا ہے اور پھر دوسرے قدیم شعرا کا۔

ہر طبقے کے شروع میں اُس طبقے کے شعرا کی خصوصیات کا مختصر ذکر کردیا ہے اور اُن کی رائے اس بارے میں بہت خوب اور صائب ہے ۔ بعض بعض شعرا کے کلام کے متعلق بھی رائے کا اظہار کیا ہے لیکن یہ بہت کم ہے ۔ اس خصوص میں میر صاحب کے تذکرے کو فوقیت حاصل ہے ۔ بیان صاف اور سیدھا ہے' عبارت آرائی اور تشبیہ و استعارہ سے کم کام لیا ہے ۔ تذکرے کے آخر میں قائم نے اپنا ذکر بھی مختصر طور پر کیا ہے' جس میں وہ لکھتے ہیں کہ "ہر چند از باشندگان قصبۂ چاندپور است اما از بدو شعور تاباین حال بتوسل نوکری بادشاہی بدارالخلافت شاہجہاں آباد گذرا ندہ "۔ اس سے زیادہ اس تذکرے میں ان کے حالات کے متعلق کچھ نہیں ملتا۔ اس سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ دہلی سے رخصت ہونے سے قبل ہی یہ تذکرہ تحریر میں آگیا تھا ' کیونکہ اس کے بعد ہی وہ لکھتے ہیں کہ شاہی انتظام میں خلل آجانے کی وجہ سے میں نے سفر کا ارادہ مصمم کرلیا تھا ' لہذا فرصت کو غنیمت سمجھ کر ان حالات کو قلم بند کرنا شروع کردیا۔

قائم کی شاعری کے ساتھ یہ تذکرہ بھی بلا شبہ قابل قدر ہے اور اس سے اردو شعرا کے حالات اور کلام کے متعلق بصیرت

حاصل ہوتی ہے —

قائم نے اپنے تذکرے کے ساتھہ اپنے کلام کا انتخاب بھی دیا ہے ' لیکن یہ انتخاب بہت ہی کم ہے اور وہ بھی الف کے چند شعر ہیں - اس لئے ہم یہاں اس کے کلام سے کچھہ اور اشعار بھی درج کرتے ہیں تا کہ سخن فہم اُس کے کلام کی خوبی کا اندازہ کر سکیں —

لیکن انتخاب سے قبل ایک بات میں اور کہناچاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ بعض نظمیں سودا اور قائم دونوں کے کلیات میں مشترک پائی جاتی ہیں - مثلاً موسم سرما کے ہجو میں جو مثنوی ہے اور جس کا مطلع یہ ہے :—

سردی اب کے برس ہے اتنی شدید
صبح نکلے ہے کانپتا خورشید

دونوں کے کلیات میں بے کم و کاست درج ہے ۔ لیکن یہ نظم غالباً سودا کی ہے کیونکہ اسی کے ساتھہ کی دوسری مثنوی موسم گرما کے ہجو میں موجود ہے - لیکن میر حسن کے تذکرے کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسے 'قائم' ہی کی مثنوی خیال کرتے ہیں - ایک اور طویل عشقیہ مثنوی جس کا پہلا شعر یہ ہے :—

الٰہی شعلہ زن کر آتش دل
تب دل دے بقدر خواہش دل

لطف یہ ہے کہ مثنویوں کے آخر میں سودا کے کلیات میں سودا کا اور قائم کے کلیات میں قائم کا تخلص موجود ہے - اس سے صحیح فیصلہ کرنا اور بھی دشوار ہوجاتا ہے - مگر ہمارا قیاس یہ ہے کہ یہ مثنوی قائم ہی کی ہے جو غلطی سے سودا کے کلیات میں درج ہوگئی ہے - اسی طرح اور کئی مثنویاں

جن میں چھوٹے چھوٹے قصے اور حکایتیں منظوم کی ہیں دونوں کے کلام میں مشترک پائی جاتی ہیں —

انتخاب

قائم کے پہلے تین شعر عام طور پر مشہور ہیں اور بہت مقبول ہوے ہیں :-

درد دل کچھ کہا نہیں جاتا     آہ چپ بھی رہا نہیں جاتا

*کعبہ اگرچہ ٹوٹا تو کیا جاے غم ہے شیخ
کچھ قصر دل نہیں کہ بنایا نہ جائے گا

---

قسمت کو دیکھ ٹوٹی ہے جاکر کہاں کمند
کچھ دور اپنے ہاتھ سے جب بام رہ گیا
نے تجھ پہ وہ بہار رہی اور نہ یہاں وہ دل
کہنے کو نیک و بد کے ایک الزام رہ گیا

---

اٹھ جاے گر یہ بیچ سے پردہ حجاب کا
دریا ہی پھر تو نام ہے ہر ایک حباب کا
کیوں چھوڑتے ہو درد تہ جام سے کھو
ذرہ ہے یہ بھی آخر اسی آفتاب کا
ایسی ہوا میں پاس نہ ساقی نہ جام مے
رونا بجا ہے حال پہ تیرے سحاب کا
اس دشت پرسراب میں بھٹکے بہت پہ حیف
دیکھا تو دو قدم پہ ٹھکانا تھا آب کا

---

پھر کے جو وہ شوخ نظر کر گیا     تیر سا کچھ دل سے گزر کر گیا
خاک کا سا ڈھیر ہو رہ ہوں میں     قافلۂ عمر سفر کر گیا

---

* (ن) ٹوٹا جو کعبہ کون یہ —

چھپ کے ترے کوچے سے گزرا میں لیک — نالہ ایک عالم کو خبر کر گیا
تا بفلک نالہ تو پہنچا تھا رات — میں ہی کچھہ اللہ کا ڈر کر گیا
پوچھہ نہ قائم کٹی کیونکر عمر — جوں ہوا یک چند بسر کر گیا

---

فلک جو دے تو خدائی تو لے نہ اب 'قائم'
وہ دن گئے کہ ارادہ تھا بادشاہی کا

---

بے دماغی سے نہ اس تک دل رنجور گیا
مرتبہ عشق کا یہاں حسن سے بھی دور گیا

---

برنگ طائر نو ہم اسیر اے صیاد
وہ ہیں کہ جن کا گلوں بیچ آشیانا تھا
معاملہ یہ ہے دل کا اسے کہے کا وہ کیا
پیامبر کے ہمیں آپ ساتھہ جانا تھا
یہ سچ کہ جھوٹ ہے دعوائے دوستی لیکن
کبھی ہمیں بھی تو اک بار آزمانا تھا

---

رہبر فرقۂ اسلام رہا ساری عمر
حیف پر یہ ہے کہ میں آپ مسلماں نہ ہوا
دیکھہ مجکو کہ سلیماں کا دیا زور مجھے
ایک چیونٹی سے پہ میں دست و گریباں نہ ہوا
تھا گل تازہ میں پر حیف کہ بخت بد سے
زینت گوشۂ دستار عزیزاں نہ ہوا

---

ظالم تو میری سادہ دلی پر تو رحم کر
روٹھا تھا تجھ سے آپ ہی اور آپ ہی من گیا

---

کچھ آج دل پہ یہ وحشت کا رنگ ہے صیاد
ترے قفس سے چمن مجھ پہ تنگ ہے صیاد
گرفتہ طبع جو مجھ سا چھٹا قفس سے تو کیا
رہائی جس کی اسیری کا ننگ ہے صیاد
نہ گل بجا نہ بلبل چمن میں نغمہ سرا
مری خلاصی میں اب کیا درنگ ہے صیاد
قفس کی تنگی سے میں ہی نہ تنگ ہوں 'قائم'
مری بھی تنگیِ حالت سے تنگ ہے صیاد

---

کی کس کی نگاہوں نے یہ تاثیر ہوا پر
چلتی ہے جو یہ برق سی شمشیر ہوا پر
جی میں ہے' میاں آج نگہ کی تری تڑپن
کیجے قلم برق سے تحریر ہوا پر
مت قصر کو ہستی کے گرا' دیکھ کہ غافل
مانند حباب اُس کی ہے تعمیر ہوا پر
کب بند ہوں برنگ تعلق میں سبک روح
کھنچتی ہے کوئی رنگ سے تصویر ہوا پر

---

| | |
|---|---|
| یہ شغل نہ زندگی بسر کر | گر اشک نہیں تو آہ سر کر |
| دے طول امل نہ وقت پیری | ہوئی صبح فسانہ مختصر کر |
| کچھ طرفہ مرضی ہے زندگی بھی | اس سے جو کوئی جیا سو مر کر |

---

نہیں کھتا میں دل ترک تمنا  پہ جتنی ہو سکے اتنی ہوس کر
فریب باغباں پر ہو کے غافل  نہ اے بلبل اکٹھے خاروخس کر
بہار عمر ہے 'قائم' کوئی دن  اسے جوں گل پیارے کاٹ ہنس کر

---

ہے بے اثر ایسی ہی جو اپنی کشش دل
جی لے ہی کے چھوڑے گی یہ ایک دن خلش دل
تھا غنچہ مجھے آمد میں کوئی اس کی کہ ناگاہ
لے جائے نہ گھر سے کہیں باہر طپش دل
زہر آب و ہلاہل سے جو کچھ کام نہ نکلا
دے کر کے میں کی خون جگر پرورش دل
کس طرح کوئی گذرے ترے رہ سے پیارے
ہر گام پر اس کوچے میں ہے چپقلش دل
ہاتھوں سے دل و دیدہ کے آیا ہوں بہت تنگ
آنکھوں کو روؤں یا میں کروں سرزنش دل

---

اب کے جو یہاں سے جائیں گے ہم  پھر تجھکو نہ منہ دکھائیں گے ہم
مشکل ہے نہ آنا تجھ گلی سیں  پر یہ بھی سہی نہ آئیں گے ہم
جو آگے کہا کئے ہیں تجھ سے  سو اب کے وہ کر دکھائیں گے ہم
ایسا ہی جو دل نہ رہ سکے گا  ٹک دور سے دیکھ جائیں گے ہم
آزردہ ہو غیر سے ' لڑو یہاں  اس عہدے سے بر نہ آئیں گے ہم
گر زیست ہے تجھ تلک تو پھر کیا  صدقے ترے مر ہی جائیں گے ہم
جوں چاہئے چاہ کا سر شتہ  جیتے ہیں تو کر دکھائیں گے ہم
اس پر بھی اگر ملیں گے تو خیر  'قائم' ہی نہ پھر کہائیں گے ہم

'قائم' جکہ ہے رونے کی یہ حالت تہا؟
اس صحن گلستاں کے وہ ہیں دل فگار ہم
کھٹکا صبا کے پانوٗ کا سن کر پھرنگ ہو
آغوش گل میں ہوتے تھے نت بے قرار ہم
کیا جانتے تھے ہم کہ یہ اک دن بہے گی باو
اس مرتبہ کو ہوئیں گے بے اختیار ہم

---

میرا سا لب و لہجہ کہاں مرغ چمن میں
گل کترویں ہوں سورنگ کے میں طرز سخن میں
غربت میں مرا حال جو دیکھے ہے تو قاصد
زنہار نہ کہیو اسے یاران وطن میں

---

ایک جا گہ پہ نہیں ہے مجھے آرام کہیں
ہے عجب حال مرا صبح کہیں شام کہیں
پائے دیوار سے پھر میری طرح وہ نہ اٹھا
جس نے دیکھا تجھے یک بار سر بام کہیں
عذر تقصیر بھی چاہوں گا میں اس سے اے دل
تک تو خاموش ہو دینے سے وہ دشنام کہیں
عزم کعبے کا تو 'قائم' تو کیا ہے لیکن
رھیو سے کھیجو نہ وھاں جامۂ احرام کہیں

---

ایک آب و تاب مہ و آفتاب رکھتے ہیں
یہ روکشی کی تری کب وہ تاب رکھتے ہیں

زبان عشق شکایت سے لال ہے ورنہ
ہم ایک گلے کے ترے سو جواب رکھتے ہیں

---

حسن معنی چاہئے تزئین ظاہر ہیچ ہے
کیا کرے اس گل کولے کے کوئی کہ جس میں بو نہیں
مد توں اہل حرم پر حکم رانی کی ہے یہاں
کیا ہوا گر بت کدے میں آج ہم کو رو نہیں
خوبرو دو دن کسی کے ساتھ کر لیں اختلاط
پر جو یہ چاہو کہ یہ ہووین کسو کے سو نہیں
وضع دوراں کو خوشامد دوست ہے 'قائم' تو ہو
ہر کس و ناکس سے دب چلنا یہ اپنی خو نہیں

---

ہم سری اس قد رعنا سے ہے اے سرو غلط
تو بھی ہرچند ہے موزوں پہ یہ انداز کہاں
دل بے رخصت ہو بس اے خواہش گلگشت کہ اب
تاب رفتار کدھر' طاقت پرواز کہاں
ہست عشق نہ ہو حسن خط و خال میں بند
صید ہر مور و مگس ہوتے ہیں شہباز کہاں
'قائم' اس باغ میں بلبل تو بہت ہیں لیکن
دل ڈھلے نالے سے جس کے وہ ہم آواز کہاں

---

پھر اس کے کہ خوب روینگے' اور غم دل کا کوئی علاج نہیں
اب بھی قیمت ہے دل کی گوشۂ چشم اتنی یہ جنس بے رواج نہیں

کرنہ جرات تو اے طبیب کہ یہ     دل کا دھڑکا ہے اختلاج نہیں
دو جہاں بھی ملے تو بس ہے ہمیں     یہاں کچھہ اتنی تو احتیاج نہیں

---

مجلس مے سے مشابہ ہے خرابات جہاں
جان کر یہاں جو نہو مست وہ ہشیار نہیں
مے کی توبہ کو مدت ہوئی قائم لیکن
بے طلب اب بھی جو مل جاے تو انکار نہیں

---

جو کوئی در پہ ترے بیٹھے ہیں     دونوں عالم سے پھرے بیٹھے ہیں
جوں نم اشک، تو کس سے ہے خفا     یہاں کوئی پل میں گرے بیٹھے ہیں
درد دل کیونکر کہوں میں اس سے     ہر طرف لوگ گھرے بیٹھے ہیں

---

کہاں کا غرۂ شوال کیسا عشرۂ ذی حج کا
ہمیں ساتھہ آے ہے جس دن ہم اُس دن عید کرتے ہیں
مزاج خس ہے اہل عشق کا جلنے کے عالم میں
جلاتا ہے جو اُن کو اس کی یہ تائید کرتے ہیں
یہ کاسہ سر تلے رکھے جو میخانوں میں سوتے ہیں
جسے چاہیں اُسے اک جام میں جمشید کرتے ہیں
جنہیں کچھہ سلسلہ میں عشق کے تحقیق حاصل ہے
وہ کب مجنوں سے ہر گمراہ کی تقلید کرتے ہیں
نہ جانے کہئے کس قالب میں 'قائم' درد دل اُس سے
نہیں بنتی زباں سے دل میں جو تمہید کرتے ہیں

---

نہ دل بھرا ہے نہ اب نم رہا ہے آنکھوں میں
کبھو جو روئے ہیں خوں جم رہا ہے آنکھوں میں
میں مرچکا ہوں پہ تیرے ہی دیکھنے کے لیے
حباب وار ٹُک دم رہا ہے آنکھوں میں
وہ محو ہوں کہ مثال حباب آئینہ
جگر سے اشک نکل تھم رہا ہے آنکھوں میں

---

جوں شمع دم صبح میں یہاں سے سفری ہوں
تک منتظر جنبش باد سحری ہوں
جاتا ہوں، میں جیدھر کو وہ منہ پھیرے ہے مجھ سے
گویا کہ میں گرد قدم رہ گذری ہوں
نے گریۂ شب ہوں میں نہ آہ سحری ہوں
جوں بانگ جرس نیم نفس بے اثری ہوں
دیکھا نہ میں جز سایۂ بازوے شکستہ
حرماں زدہ جوں حسرت بے بال و پری ہوں
میں پھولوں اپے میں سماتا نہیں جوں گل
جس وقت سے آمادہ پئے جامہ دری ہوں
سو خضر سے کم حوصلہ وہاں جی سے گئے ہیں
جس دشت خطر ناک کا میں رہ گذری ہوں
جوں سرو رکھا سنگ جفا سے مجھے آزاد
مرہوں تیرا جی سے میں اے بے ثمری ہوں

---

خوش ہو نہ اے دل اگر تو شاد نہیں     یہاں کی شادی پہ اعتماد نہیں

تا کجا امتحان صبر کہ شوخ — دل ہے آخر یہ کچھہ جماد نہیں
سچ ہیں سارے کمال حضرت شیخ — لیک دل کو کچھہ اعتقاد نہیں
منہ کہا عہد کیا کیا تھا رات — ہنس کے کہنے لگا کہ یاد نہیں
ہوجئے کس سے داد خواہ بتاں — اس ستم کی جہاں میں داد نہیں
یار اگر چاہتا ہے دے 'قائم' — جان کچھہ دل سے تو زیاد نہیں

---

جوں شیشہ بھرا ہوں مے سے لیکن — مستی سے میں اپنی بے خبر ہوں
جو کہئے سو یہاں سے ہے فروتر — کیا جانے میں کس مقام پر ہوں

---

کونسا دن کہ مجھے اس سے ملاقات نہیں
لیک جی چاہے ہے جوں ملنے کو وہ بات نہیں

---

ہوس ہے عشق کی اہل ہوا کو ہم تو میاں
سنے سے نام محبت کا زرد ہوتے ہیں

---

عبث ہیں ناصحا ہم سے زخود رفتوں کی تدبیریں
رکے ہے بحر کب گو موج سے ہوں لاکھہ زنجیریں
ہماری آہ سے آگے تو پتھر موم ہوتے تھے
یہ کیا جانے وہ اب کیدھر گئیں نالے کی تاثیریں
گریباں کی تو 'قائم' مدتوں دھجئیں اڑائی ہیں
یہ خاطر جمع اُس دن ہوے جب سینے کو ہم چیریں

---

آوے خزاں چمن کی طرف گر میں رو کروں
غنچہ کرے گلوں کو صبا گر میں بو کروں
'قائم' یہ جی میں ہے کہ تقلید سے شیخ کی
اب کے جو میں نماز کروں بے وضو کروں

بوجھیں رنجش ہو اور گلا بھی بوجھیں
ہو جے ہر بات پر خفا بھی بوجھیں
کچھ نہ ہم کو ہی بھاگیا یہ طور
واقعی یہ کہ ہے مزا بھی بوجھیں
صید کنجشک سے نہ ہاتھ آتھا
آکے پھنس جائے ہے ہما بھی بوجھیں
کیوں نہ روؤں میں دیکھ خندۂ گل
کہ ہنسے تھا وہ بے وفا بھی بوجھیں

نگاہوں سے نگاہیں سامنے ہوتے ہی جب لڑیاں
یکایک کھل گئیں دونوں طرف سے دل کی پھر کلیاں*

کمال جگ میں سزاوار ناز ہے یہ سچ
یہ ناز کرنے کو انساں میں کچھ کمال بھی ہو

عاشق نہ تھا میں بلبل کچھ گل کے رنگ و بو کا
ایک اُنس ہوگیا تھا اس گلستاں سے مجھکو

* (ن) گل چھڑیاں

تک تو خاموش رکھو منہ میں زباں سکتے ہو
اپنی ہی کہتے ہو میری بھی میاں سنتے ہو
سنگ کو آب کریں پل میں ہماری باتیں
لیکن افسوس یہی ہے کہ کہاں سنتے ہو
خشک و تر پھونکتی پھرتی ہے سوا آتش عشق
بچیو اس آنچ سے اے پیر و جواں سنتے ہو

---

کچھ لکھوں سوز دل اپنے سے اسے اے قاصد
جانے کاغذ ہو اگر بال و پر پروانہ
شمع تک جاتے تو دیکھا تھا میں اس کو 'قائم'
پھر نہ معلوم ہوئی کچھ خبر پروانہ
'قائم' سمجھ کے بولیو تو آپ کے حضور
پیارے معاملت ہے سخن آشنا کے ساتھ

---

یک شب دیکھوں جن نے وہ زلف ۔ لاکھوں دیکھے روز سیاہ
اتنی تو مت ہو جلد نسیم ۔ ہم بھی چمن تک ہیں ہمراہ
کوندے ہے دل پر برق سی آج ۔ پیش نظر ہے کس کی نگاہ
وعدہ کر کے رات کا تم ۔ خوب ہی آئے واہ جی واہ
'قائم' سے کوئی ہوئے خفا ۔ بندۂ خادم دولت خواہ

---

شیخ جی آیا نہ مسجد میں وہ کافر ورنہ ہم
پوچھتے تم سے کہ اب وہ پارسائی کیا ہوئی

روے اس غم کدہ میں آج کس کس کو یہاں
دیکھتے نظروں کے اپنے اک خدائی کیا ہوئی
گو کسی حالت میں ہو میں سمجھوں ہوں تجھے
ہے تو تو وہی پہ تیری کبریائی کیا ہوئی

---

جوں سوچ میرا قافلہ غافل ہے سفر سے
کیا جانے کہاں جاے گا آیا ہے کدھر سے
کس رات میں جوں گل نہ ہوا غرق لہو میں
کس دن نہ بھری گود مری لخت جگر سے
وہ خار بیکسی زدہ اس دشت میں میں ہوں
پالا ہے جسے آبلہ نے خون جگر سے

---

دمبدم اس رنجش بیجا کو کیا کہتے ہوں شوخ
دل دیا تجکو تو ہم نے کچھ گنہ گاری نہ کی

---

اگرچہ صبح تلک ہمدگر تھے گرم سخن
پہ کہہ سکا نہ کچھ اس سے میں بات مطلب کی
سواے دل شکنی سب مباح ہے یہاں شیخ
خبر نہیں تجھے رندوں کے دین و مذہب کی
سوال بوسہ جو "قائم" کیا میں شب تو کہا
کہ کیجے چھیڑ کہیں اور جاکے اس ڈھب کی

---

دم قدم تک ہے ہمارے ہی جنوں کی رونق
اب بھی کوچوں میں کہیں شور فغاں سنتے ہو

میں کہا خلق تمہاری جو کسو کہتے ہیں
تم بھی اس کا کہیں کچھہ ذکر و بیاں سنتے ہو
ہنس کے یوں کہنے لگا خیر اگر ہے یوں بات
ہوئے گی ویسی ہی جیسی کہ وہاں سنتے ہو

---

نے ہجر چاہتا ہوں نہ وصل حبیب کو
یا رب کہیں ہو صبر دل ناشکیب کو
وے بھی تو آدمی ہیں کہ جن سے تم کو ربط
کیا شکوہ تم سے' روئیے اپنے نصیب کو

---

بھول کر بھی وہ نہیں یاد سے جاتا اپنی
جان کر یاد سے جن نے کہ بھلایا مجھکو
کچھہ تو تھی بات خلل کی کہ شب ان نے محرم
غیر کے آتے ہی مجلس سے اٹھایا مجھکو

---

جی میں چھلیں تھیں جو کچھہ سو گئیں وہ یار کے ساتھہ
سر پٹکنا ہی پڑا اب در و دیوار کے ساتھہ
اک ہمیں خار تھے آنکھوں میں سبھوں کے سو چلے
بلبلو خوش رہو اب تم گل و گلزار کے ساتھہ
میں دوانا ہوں سدا کا مجھے مت قید کرو
جی نکل جائے گا زنجیر کی جھنکار کے ساتھہ
یا رو کہتے تھے جو تم لالہ و گل ہے سو کہاں
سر پٹکنے تو نہ آیا تھا میں کہسار کے ساتھہ

ہاے صیاد یہ انصاف سے تیرے ہے بعید
یہاں تلک کیجئے ستم اپنے گرفتار کے ساتھہ
گرچہ بلبل ہوں میں 'قائم' ولے اس باغ کے بیچ
فرق کوئی نہ کرے گل کو جہاں خار کے ساتھہ

---

آج اگر بزم میں ہے کچھہ اثر پروانہ
اڑتے ہیں پاے لگن چند پر پروانہ
آتش عشق میں جلنا نہیں ہے کار آساں
ہر مگس سے نہ طلب کر جگر پروانہ
وضع پر اپنے ہے یہاں شادی و غم ہر یک کا
شام ماتم سے ہے کیا کم سحر پروانہ

---

ہم نہیں ذکر یار کر کچھہ آج اس حکایت سے جی بہلتا ہے
دل مژہ تک پہنچ چکا جوں اشک اب سنبھالے سے کب سنبھلتا ہے
آج 'قائم' کے شعر ہم نے سنے ہاں ایک انداز تو نکلتا ہے

---

جوں طفل سرشک ارغوانی پامال ہوئی مری جوانی
ہر سانس گراں ہے تن پہ میرے اللہ رے ضعف و ناتوانی
دو چیز ہیں یادگار دوراں تیرا ستم اپنی جانفشانی
ہے رشک مجھے پیامبر تک کو تجھسے کہے مری زبانی

---

وہ دن گئے کہ لوہو آتا تھا چشم تر سے
اب لخت دل ہے کوئی یا پارۂ جگر ہے

غافل قدم کو اپنے رکھیو سنبھال کر یہاں
ہر سنگ رہگذر کا دوکان شیشہ گر ہے

---

کب نالہ بلائے جان نہیں ہے کب آفت دل فغاں نہیں ہے
کب چشم پہ فتنا گوار نہیں خواب کب دل پہ نفس گراں نہیں ہے
ہے کونسا دم کہ تازہ نوحہ سر جوش لب و دہاں نہیں ہے
کس دن نہ دل پرنگ اخگر صد آتش غم نہاں نہیں
کب رات ہوی کہ چشم ترسے جو نالۂ دل رواں نہیں ہے
سب کچھ ہے جو چاہئے مگر صبر ایک جنس ہے وہ کہ یہاں نہیں ہے
بس تا بکجا اٹھائیں یہ غم کیا ہم میں تو ہم میں جان نہیں ہے
کہتا میں نہیں کہ ظلم ہے بد پر خوب تو مہرباں نہیں ہے
سو بات کہوں پر اس کے آگے گویا منہ میں زباں نہیں ہے
'قائم' سا عزیز خوار ہو حیف کوئی ہند میں قدر داں نہیں ہے

---

پھرے زمانہ جہاں تک ہے ہم سے یا نہ پھرے
کسی کے پھر لے نہ پھرنے سے کیا خدا نہ پھرے
فلک رلاے تو ہے ہم کو لیک یہ ڈر ہے
کہ بلبلا سا کہیں آپ ہی بہا نہ پھرے
ہزار حیف کہ گلچیں ہے اس جگہ گستاخ
میں جس چمن میں یہ چاہوں تھا یہاں صبا نہ پھرے

---

تمہی خبر بھی کہ رات پیارے تم غیر کی گفتگو نہ سمجھے
سمجھو گئے ہمارے بعد ہمکو پر حیف کہ روبرو نہ سمجھے

ایک عرض تو تھی پر اُس سے پیارے — کیا کہئے جو بات کو نہ سمجھے
قسمت کہ وہ چارہ گر اپنا — جو زخم سے تا رفو نہ سمجھے
سو حرف ہیں خامشی میں لیکن — اس بات کو ہرزہ گو نہ سمجھے
شایاں چمن نہیں وہ بلبل — ہر گل کا جو رنگ و بو نہ سمجھے
سمجھا رہے ہم تو تجکو 'قائم' — پر کیجئیے کیا جو تو نہ سمجھے

---

قطعات و رباعیات کی اگرچہ شیفتہ نے تعریف کی ہے لیکن وہ ایسے زیادہ تعریف کے قابل نہیں ' اُن میں زیادہ تر لفظوں کے ہیر پھیر اور تلازمے سے مضمون پیدا کئے ہیں - نمونے کے طور پر ایک قطعہ اور ایک رباعی درج کی جاتی ہے —

رباعی

قائم جو تو نواب سے دکھہ پایا ہے — کہہ بھڑوے کو جو زباں پر آیا ہے
سرمہ نہیں کھایا کہ رہیگا خاموش — کھایا ہے اگر تو تو' نمک کھایا ہے

---

قطعہ

اندازہ نگاہ رکھہ سخن میں — یعنی جو کہے ہے نیک کہہ تو
دو گوش ترے ہیں اور زباں ایک — تا دو نہ سنے نہ ایک کہہ تو

عبدالحق
سکریٹری انجمن ترقی اُردو
اورنگ آباد ( دکن )

۲۸۱۳

# فہرست مضامین

## صحت نامہ

| صفحہ | سطر | غلط | صحیح | صفحہ | سطر | غلط | صحیح | صفحہ | سطر | غلط | صحیح |
|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|
| ۳ | ۳ | نل بن | نل دمن | ۲۱ | ۱۱ | انجبا | نجبا | ۴۶ | ۱۳ | بوراجی | بزاجی |
| ۴ | ۱۸ | بنرسنے | بنرسے | ۲۲ | ۱۳ | ہمنفش | ہمتفش | ۴۱ | ۹ | دیکھنے دیکھنے | دیکھی دیکھی |
| ۸ | ۲ | تمنغ | تتبع | ۳۴ | ۱۷ | ال ابی | ال ابے | ۴۶ | ۱ | بر سر روش | بر سر دوش |
| ۹ | ۱۵ | زاہد | زہد | ۳۵ | ۱۷ اور ۱۸ | بادہ وستہا | بادہ دستہا بادہ | ۴۹ | ۱۰ | ستاتش | سلاتش |
| ۱۳ | ۵ | کہ بہر تیسیر | کہ بہر تیسیر | ۳۶ | حاشیہ صفحہ | عمنشال | × | ۷۰ | حاشیہ ۹ | نظیر | × |
| ۱۹ | ۱۱ | کہیا | کہیسا | ۳۷ | ۹ | زانوں کو | رانوں کو | ۷۲ | ۳ | اور درگذر | اور نہ درگذر |

تمت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بعد حمد سخن آفرینی کہ بنائے مصرع موزوں قامت خوباں گزاشتہ اوست و بیت تا خن بدن ابروئے محبوباں کہ دل از دست می برد نگاشتہ او و تحف تحیات بجناب رسالت مآب کہ ناظم حقیقی دیوان کائنات را بمصداق کلام صدق التیام لولاک بہ یمن ذات مبارکش تدوین نمودہ و رباعی مدارج اربعہ را با چہار یار رش کہ چو مصراع رباعی عناصر باعث قیام عالم از حسن تزئین فرمودہ بضمیر مہر تنویر سخن طرازان ہندوستان و طوطیان شکر شکن ایں بوستان مخفی و محتجب نماند کہ تا الی الآن در ذکر و بیان اشعار و احوال شعرائے ریختہ کتابے تصنیف نگردیدہ و با ایں زبان ہیچ انسانی از اجرائے شوق افزائے سخنوران ایں فن سطرے تالیف نرسانیدہ بنا بر ایں فقیر مولف محمد قیام الدین قائم بعد کوشش تام وسعی تمام دواوین ایں اعزہ فراہم آوردہ پارہ ابیات از ہر کدام بر سبیل یادگار در ذیل ایں بیاض کہ بمخزن نکات موسوم است بقید قلم در آوردہ برائے امتیاز طرز کلام طبقات علحدہ کہ تفصیل آن پیشتر است ترکیب دادہ شاید کہ مقبول خاطر خطیر صاحبدلے گردد یا در نظر والا نظرے منظور افتد بہر حال التماس بجماعت معنی شناس آنست کہ ایں ہیچمداں را بجلدوئے

این خدمت بدعائے خیر یاد فرمایند واز خطائے رفتہ کہ خواص بشری است اغماض نمایند مصرع کہ ہیچ نفس بشر خالی از خطا نبود

# طبقہ اول

طبقۂ اول۔ در بیان اشعار شعرائے متقدمین۔

طبقۂ دوم در ذکر کلام سخنوران متوسطین۔

طبقۂ سوم در بیان اشعار واحوال سخن طرازان متاخرین

طبقۂ اول اتفاق جمہور برآں است کہ چوں حضرت شیخ سعدی شیرازی در ہنگام سیاحت بطرف گجرات تشریف آوردند بسبب مجاورت سومنات چنانکہ در نسخۂ بوستاں مذکور است بزبان ایں دیار وقوف یافتہ یک دو غزل ریختہ کہ بعد ازیں مرقوم خواہد شد مع دیگر ابیات برسبیل تفنن ارشاد فرمودند بعد ازاں حضرت امیر برہان بناطراحی و تعمیرہائے بسیار ایکار بردند ہرچند سلیقۂ سخن سنجی آں وقت دور از فصاحت ریختہ گویان حال است لیکن بپاس طبیعت مشتاقاں ہر جنس سخن دو سہ چار بیت ازاں انتخاب تبرکاً و تیمناً دریں مقام قلمی مے گردد واز احوال ایں ہر دو بزرگوار چہ نویسد کہ مورخین سلف در کتب تواریخ مندرجہ ضبط نمودہ اند اظہر من الشمس و ابین من الامس است سعدی

اے مردمان شہر شما کیسی بری یہ ریت ہے ہے ہے نی پرسد کسے پردیسیا ریت ہے

سعدی بطرح انگیختہ شہد و شکر آمیختہ در ریختہ در ریختہ ہم شعر ہے ہم گیت ہے

خسرو

زرگر پسر چو ماہِ پارہ کچھ گھڑتے سنوارے پکارا

نقد دل من ربود و بشکست آخر نہ گھڑا نہ کچھ سنوارا

جامع فضائلِ معنوی و صوری حقیقت آگاہ ملا نوری از قاضی زادہائے قصبۂ اعظم پور است در فنِ بدیع و معماہر آمد روزگار خود بود و شعر فارسی بسیار برتبہ می گفت چنانچہ قصاید طویل الذیل از وے یادگار است گویند وقتے کہ ابو الفیض فیضی مثنوی نل دمن تصنیف می کرد چوں باین مصرع رسید۔ "موئے شدہ ام ز ناتوانے" بجہت تمامی معنی بند افتاد و مضمون مصرع ثانی بخاطرش نمی رسید ملائے مذکور بسابقہ معرفتے کہ داشت برائے ملاقات وے رفتہ بود بحقیقت حال وا رسیدہ مصرع بداہۃً گفت مصرع
"مو بر تن من کند گرانے"۔ فیضے بر لطف طبیعتش آفرین کرد و ازاں باز او را بسیار دوست میداشت دو سہ غزل ریختہ بطور قدما از وے مسموع است اما بالفعل سوائے ایں یک بیت مقطع چیزے در خاطر نیست ؎ ہر کس کہ خیانت کند البتہ بترسد ؛ بیچارہ نوری نکرے ہے نہ ڈرے ہے ؛ محمد افضل مردے است از سکان دیار مشرق الرحم ربط کلامش چنداں مضبوط و مربوط نیست لیکن ازانجا کہ قبول بے سبب ورد بے غضب خاصۂ جناب ازلی است تصنیفاتش بمرتبہ موثر دلہا است کہ از حیز تحریر و تقریر متجاوز است و مثنوی بکٹ کہانی بر صفحہ روزگار از وے یادگار است ردیہ اش از قدیم بیانش باقیاس باید نمود ایں یک بیت از مثنوی مشہور اند دست۔

پڑے تال میں میرے پیم پہانسے      مرن اپنا ہے اور لوگوں نکو ہانسے

باید دانست کہ چوں فن ریختہ در آں وقت از محل اعتبار ساقط بود بنا بر علیہ ہیچکس بر توغل آن اقدام نمی نمود و ایں دو سہ چار بیت کذائے کہ بنام اساتذۂ معتبر مرقوم است اغلب کہ نشاء نظمش نہ زنے بیش نباشد اما بعد ازیں بسبب بلاد دکھن در عہد عبد اللہ قطب شاہ کہ با سخنوران بہجبت و مواسا میپیش می آید ریختہ گفتن بزبان دکھنی بسیار رواج گرفت بادشاہ ہم گرم

پیر مطبع موزوں داشت اکثر در مرثیہ حضرت ابی عبداللہ الحسین علیہ الصلوٰۃ والسلام شعر
می گفت وگاہے بنا بر تفنن طبیعت بحسب اتفاق دو سہ بیت جستہ جستہ در وصف خط
و خال غزالان شہرے ہم می نوشت چنانچہ ایں مطلع از وست۔

اُسے سکھوں کا راج دوں میں مجہ دل پہ اُٹھیں بجھوا ہے　　یک بات کہے ہوں گے سجن یہاں جیو بارہ باٹ ہے

و اکثر مستعدان ایں فن کہ در آں وقتے بودند مردم ایں دیار بر اشعار و احوال یکے
از ینہا اطلاعے نیافتہ اند مگر معدودے چند کہ در زمانہ سلطان ابوالحسن لوائے شہرت
برافراختند و پارہ از ابیات ایں اعزہ بر اوراق بیاض ہائے سخن سنجاں ہندوستان قلمی
نمودند بنا بریں یک گونہ از اسم و رسم اینہا تعارفے باقیست انشاء اللہ تعالیٰ من بعد
چیزے ازاں مرقوم خواہد شد و از مراتب حوصلہ فہم معنی آگاہاں پوشیدہ نیست کہ
دماغ بیدماغاں بکاؤکاؤ و مشقت بسیار نمی تابد ہر آنچہ معقول و سہل الحصول دید بقید
قلم در کشید و ورد سرے کہ ما فوق طاقت خود یافت در تحقیق و تفحص آں بنیفتاد و مفت
وقتے را کہ بدلش متصور نیست باندیشہ طول و طویل برباد بداد مرزا ابوالقاسم مرزا
تخلص از مخصوصان سلطان ابوالحسن عرف تانا شاہ عبداللہ کنج کہ در جوار حیدرآباد
واقع است انزوا گزیدہ و بقیہ عمر بلباس فقر ہم انجا بسر برد ایں یک بیت بنام او
شہرت دارد

مرزا دہ نو نہال کدھر سٹ گئے ہیں چمن　　دستا تھا جس کے ہاتھ پہ گل ڈال سوں جھا

افضل الدین خاں فضلی تخلص بجمیع فضائل انسانی مشہور است تخصیص در شیوہ سخن سرائے
ممتاز روزگار خود بود مرزا ابوطالب می گفت کہ ایں عزیز بفرمایش شخصے در تعریف
حسن شاہزادہ مثنوی پانصد شعر با ایں ہمہ نازکے و پرکارے موزوں کردہ است کہ اور

مرزا ابوالقاسم

افضل الدین فضلی

مردم آں دیار نرگس آسا بر بیاض دیدہ قلمے می سازند واز شہرے بشہرے می برند در حقیقت دو سہ چار بیتش کہ ازاں جملہ حلے سواسع اہل ہندست خالے از حسن لطافتے نیست چنانچہ ایں ابیات از ہماں مثنوی است

عرق منہ پہ چوں آرسی میں حباب | تبسم لباں پر چو موج شراب
زنخ جوں مراد ہے سیو کا | پہ کب پڑ سکے ہاتھ واں دیو کا

غوثی

محمد غوث غوثی تخلص خلف الصدق مولانا قطب الدین قاضی حیدرآباد است در جمیع علوم وفنون مشار الیہ بود وہمیشہ بدرس وتدریس اشتغال داشت گاہ گاہ بمقتضائے موزونئ طبیعت دو سہ مصرع ریختہ فارسی نیز موزوں می گردد در آخر عمر در طلب دامنگیر حال او شد از خویش وقوم برآمدہ بزیارت حرمین شریفین زادہما اللہ تشریفاً مستعد گردیدہ ہم انجا ودیعت حیات سپرد ایں دو بیت ریختہ از واردات خاطر اوست ؂

تیغ بھواں سوں کن کہا گھائل نکو کرے | پلکاں کے یا خنجر ستی بسمل نکو کرے
کاٹو جلاؤ راکھ کرو راضی ہیں ہمن | سب کچھ کرو پہ ایک کٹھن دل نکو کرے

روحی

روحی تخلص مردے از پیرزادہائے حیدرآباد است روزگارے مہیا وعافیتے گوارا داشت وبخلاف احوال پراگندہ طبعاں ہرزہ روزگار، دپریشان خاطران تفرقہ شعار می زیست در اوائل جوانی بشعر وشاعری مشغول بود آخر ازاں اندیشہ باز گردیدہ مدت عمر بر سجادہ طاعت بفقر وقناعت گذرانیدہ ایں دو بیت ریختہ از وے یادگار است

درپن ستے نگاہ کو مائل نکو کرے | یہ دکھ اپس کے واسطے حاصل نکو کرے
خنجراں اتے کہ جہدہ براہیں ہو کے نوک | پلکاں کو میرے ہلکے مقابل نکو کرے

نوری

سید شجاع الدین نوری تخلص هرچند از سادات بلدهٔ گجرات است اما تمام عمر بعلاقهٔ روزگار در حیدرآباد بسر برده آخر حال بعهدهٔ تعلیم پسر وزیر سلطان ابو الحسن پایهٔ امتیاز یافت چندے بمنصب مهوده قیام می نموده که ناتوان بینان روزگار بر سبیل حسد بعشق وزیر زاده متهم ساخته از خدمتِ ماموره باز داشتند چون بوقوع این حال سید بیچاره انفعال کشید بے اطلاع همه کس از حیدرآباد برآمده در قصبهٔ بلند رخت اقامت انداخت و همانجا بجوار ایزدی پیوست

نوری ایس کے دل کے کو سے نکھ بہتا ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ حاصل بھلا اب اس سے دیوانے جو تھا سو تھا

شاہ قلیخان شاہی تخلص از متوطنِ بھاگ نگر بود بدرستی طبع و رسائی فکر داد سخن سرائے میداده تے بتوسل نوکری بادشاهی در بلدهٔ حیدرآباد می گذرانیده آخر حال بمنصب ندیمی تاناشاه معزز و مباهی گشته اکثر حسب الایمای بادشاه مذکور شعر مرثیه فکر میکرد چنانچه سابق برایں پنجاه سال ابیات و مرثیه اش در بلاد هندوستان دست بدست گردیده اند بالفعل خبر اند راس بگوشه خمول گوا مند فرسوده و آخر دیده سوائے این مطلع اشعار غزل از مے مسموع نیست

غنا ہمن کا غیرے کرئی جھوٹ کرئی سچ کہتے ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ کس کس کا منہ موندوں سجن کوئی کچھ کہتے کوئی کچھ

میر عبد القادر رسا در تخلص از باشندگانِ حیدرآباد است چشم عبرت بین و دل حسرت گزین داشت چون سن شریفش از پنجاه متجاوز گردید بر دست یکے از مشائخ اندیار که نسبت به شیخ شهاب الدین سهروردی می پیوست خرقه پوشیده و تا آخر عمر بخدمت شریفش بلا ستقامت گذرانید این رباعی از مصنفات اوست .

رباعی

ہر چند ہمن سب سوں اٹھایا ہے ہات — اس پر پھر بھی نہ آزاد کھائے سیہات

عالم میں ہر ایک یہ کہتا ہوگا — دکھن میں ہے قادر اچھوں در قید حیات

لطفی

لطف علی لطفی تخلص شاعر دکھنی است و دیگر احوال او معلوم بندہ نیست کہ کیست و کجائیست ایں ایک شعر بنام او مسموع است.

میں عشق کے گلی میں گھائل پڑا تھا تس پر — جو بن کا ماتا آکر مجکو کھند ل گیا ہے

رافت

مہر علی رافت در کمال شوخ و ظرافت پسر خطیب بادشاہی است از غایت بکسرے و زیاد گوئی معاصران خود را لطعن و استہزا می رنجانید و ہیچکس را در برابر خود مقدارے نمی نہاد روزے در مجلس پدر بزرگوارش کہ بسخن فہمے و نکتہ دانی نظیر نداشت بتقریبے ذکر شعر مشکلہ بمیاں آمد چوں در استکشاف معنے آں اند کے تامل کرد بہوے او چشمکے زد و گفت جانے بہایا خطیب کا وازیں جنس بسا سخنان ناصواب از وے مسموع است بالجملہ از وطیرہ اشعارش معلوم نمی شود سخنش بجاش نرسیدہ خداوند تعالی رحمتش کناد

موتے دریا میں اپس کے تین کاں لگ ھووے — کہ تمہن کے وہ نبا گوش سے ہمسر ہووے

پوچھا دانا نسے رقیبانکے انکھیا نکا لوہو — یوں بھی ہمنا سے نبولے کہ آیا اب رووے

آزاد

فقیر اللہ متخلص بآزاد از متوطنان بلدہ حیدرآباد است ہنوز از صغیر سن بر نیامدہ بود کہ پدرش برحمت خدا رفت اکابران محلہ نظر بر یتیمیش نمودہ عزیز می داشتند چوں جواں شد سودائے زلف عنبرینے در سرش پیچیدہ دکارش بآوارگی انجامید مکان معین نداشت خانہ بدوش می گردید چنانچہ ایں عزیز دشخصے

فراقی تخلص کہ بندہ از احوالش کما ینبغی اطلاع ندارم در آں ایام کہ محمد یار خاں

صوبہ دار دہلی بود ہر دو باتفاق برائے دیدن وے بدار الخلافت آمدند چوں نسق کلامش بنابر کثرت صحبت خاطر نشیں اینہا گردید تتبع او کشتند چنانچہ از روئیہ اشعار ایں ہر دو بزرگوار پیداست۔ از آزاد۔

کوئی کسی ہی فن میں ہم ساتھ بر نہ آیا　　پر جسے یار ملتا ایسا ہنر نہ آیا

از فراقی

فراقی کشتہ ہوں اُس آن کا جس دم کہ وہ ظالم　　کمر سے کھینچتا خنجر چڑھاتا آستیں آوے

احمد گجراتی شعر ہندی می گفت کہ عبارتے از گیت و دوہرہ باشد در علم سنسکرت و دبھاکا ید طولی داشت و در فنِ خود سر آمد روزگار بود والحق کہ دو سہ دوہرہ از تصنیفش شنیدہ شد مذاق کلامش بسیار دل نشیں است چوں معاصر شاہ ولی اللہ ولی بود گاہ گاہے فکر شعر در ریختہ نیز می نمود چنانچہ ایں دو سہ بیت از نتائج اوست

شب جھجھٹے وعدوں پر جو تیرے ہم بہک گئے　　کوئی لاکھ بار گھر سے اُٹھے دتا تک گئے
پوچھے تھے کل میاں سے آپس دلکے کی خبر　　سو آج لاکے سر تے میرے پٹک گئے
احمد بتا میں کیا کروں اب راہ عشق میں　　ایک سانجھ پڑ گئی ہے دوجی پاؤں تھک گئے

فخری تخلص شخصے بود از شاگردان ولی بسیار بصفائی گفت چنانچہ از سیاق و سباق کلامش پیداست و دیگر احوالش معلوم بندہ نیست

دیکھوں میں جب تجھے تو چکا چوندھ لگ رہے　　دیکھے ہے یار کتنے نظر بھر کر آفتاب

محمود نیز از دکھن است گویند معاصر فخری است بلکہ با او چیزے قرابت ہم داشت بالفعل انتظار رفتہ است۔

تو گال ہیں پتھر سے کچھ سخت نہیں ہے لیکن　　جو کوئی بتاں سے بچھڑا وہ سخت ہی پتھر ہے

سلیج

سلیج تخلص شخصے از متوطنان اورنگ آباد است آنچہ از سلیقہ شعرش معلوم میشود بسیار بدرستی حرف میزند۔

لی ہیں مجھ آنسو بکے شراروں کی کیا کمی　　جس رات چاند ہو نہ ستارونکی کیا کمی

رفوگر کو کہاں طاقت کہ زخم عشق کوٹا بکے　　اگر دیکھے مرا سینا رفو چکر میں آجائے

نہیں حقیقت میں حسن و عشق جدا　　طوق قمری ہے طرہ شمشاد

محقق

محقق تخلص شخصے است بندہ از احوالش خبر ندارم ایں ایک شعر بنام او بر پشت بیاض کہنہ کہ از ملکیت ابوطالب مرحوم بود در ذیل شاعران دکھنی نوشتہ دید ظن غالب است کہ داخل ہماں جرگہ باشد واللہ عالم بالصواب

تم ہر کسی سے وعدہ دیدار مت کرو　　اپنی زباں سے جھوٹ کا اقرار مت کرو

ہاشم

ہاشم تخلص شاعر دکھنی است آنچہ از طرز کلامش مفہوم میشود سرے بسخن داشتہ۔

دکھن ہور ہند کے دلبر ہمن سوں بیجا آب چھپے　　کہ مکھڑے چاند سے پر جنکے خط کیسے پیچ تاب اچھے

ہاتف

ہاتف تخلص شخصے در دکھن بودہ است ایں یک شعر بنام او در بیاض سیادت پناہ میر محمد شاہ کہ یکے از آشنایان والد فقیر مؤلف بودہ اند نوشتہ شعر مذکور ایں است۔

انکھیاں تیرے اور زلف سے کافر ہوا سارا جہاں　　اسلام اور تقوی کہاں زاہد اور مسلمانی کدھر

طالب

میرزا ابوطالب المتخلص بطالب مردے بود ہفتاد سالہ از متوطنان قصبہ بلندہ کہ در نواح اورنگ آباد است در لشکر بہادر شاہ سابقہ آشنائے با عمو بزرگوار حضرتم مرزا رفیع صاحب بہم رساندہ ہمراہ لشکر ظفر اثر برفاقت ایشان برائے کار جاگیر خود بدار الخلافت شاہجہان آباد رسیدہ تا مدتے کہ اقامت نمود ہمخانہ ایشان بود و

بعضے از ایں احوال و اشعار کہ سابق مرقوم شدہ زبانی مرزا ابو طالب مسطور بمرزا صاحب
رسیدہ بود و از ایشاں علی سبیل ذکر مذکور بتحقیق معلوم گردیدہ ایں یک شعر از طالب است

ہمنا کے خون چشم سے آلودہ کب کرے ۔۔۔ وہ پک جسے گرانی ہے رنگ حنا سے

شاہ ولی اللہ ولی تخلص شاعرے است مشہور. مولدش گجرات است گویند بہ نسبت
فرزندی شاہ وجیہ الدین گجراتی کہ از اولیائے مشاہیر است افتخار ہا داشت در سن
چہل و چہار از جلوس عالمگیر بادشاہ ہمراہ میر ابو المعالی نام سید پسرے کہ دلش فریفتہ
او بود بجہاں آباد آمد گاہ گاہ بزبان فارسی دو سہ بیت در وصف خط و خالش
می گفت چوں در آنجا بسعادت ملازمت حضرت شاہ گلشن قدس سرہ مستعد بگفتن شعر
بزبان ریختہ امر فرمود ایں مطلع نغز موزوں کردہ حوالہ او نمودند۔

خوبی اعجاز حسن یار گر انشا کروں ۔۔۔ بے تکلف صفحۂ کاغذ ید بیضا کروں

بالجملہ ہیچ تقول زبان ایشاں سخن ایں ہا چناں حسن قبول یافت کہ ہر بیت دیوانش
روشن تر از مطلع آفتاب گردیدہ و ریختہ را قسمے بفصاحت و بلاغت می گفت کہ اکثر
ابنائے آں وقت در راہ ہوش شعر ریختہ موزوں می نمودند چنانچہ قدوۃ السالکین و
زبدۃ الفاضلین مرزا عبد القادر بیدل رضی اللہ عنہ نیز دریں زبان غزلے گفتہ
مطلع و مقطعش اینست۔

مت پوچھ دل کی باتیں وہ دل کہاں ہے ہم میں ۔۔۔ اس تخم بے نشاں کا حاصل کہاں ہے ہم میں
جب دل کے آستاں پر عشق آن کر پکارا ۔۔۔ پردے سے یار بولا بیدل کہاں ہے ہم میں

وچند بیت کہ فقیر بمذاق فہم ناقص خود از دیوان ولی مذکور منتخب ساختہ ایں است۔

دل کو گر مرتبہ ہو درپن کا ۔۔۔ مفت ہے دیکھنا سریجن کا

ٹک ولی کی طرف نگاہ کرو
صبح سے منتظر ہے درشن کا

نہ پوچھو عشق میں جوش و خروش دل کی ماہیت
بہ رنگ ابر دریا بار ہے رومال عاشق کا

پھر میری خبر لینے وہ صیاد نہ آیا
شاید کہ میرا حال اسے یاد نہ آیا

دیکھ احوال مرا صبح شفق نے ولی
ہاتھ سوں ہاتھ ملا خون سوں سینہ کوٹا

صنم کے لعل پر وقت تکلم
رگ یاقوت ہے موج تبسم

زندگی جام عیش ہے لیکن
فائدہ کیا اگر مدام نہیں

ڈالے اکھاڑ کوہ کو جوں کاہ اپنے
عاشق کی آہ سرد کہ جیسی صبا نہیں

خوبرو خوب کام کرتے ہیں
یک نگہ میں غلام کرتے ہیں

یکبار اگر بات میری گوش کرے تو
ملنے کو رقیباں کے فراموش کرے تو

صحبت غیر میں جایا نہ کرو
دردمندوں کو کڑھایا نہ کرو

دل کو ہوتی ہے سجن بیتابی
زلف کو ہاتھ لگایا نہ کرو

اس قدم خاک سے کے صد حشر ہے نجات
عشاق کے کفن میں رکھو اس عبیر کو

عجب کچھ لطف رکھتا ہے شب خلوت میں گل رو سے
خطاب آہستہ آہستہ جواب آہستہ آہستہ

دیکھتا ہوں جسے وہ مبتلا ہے
خوباں کے نگہ کیا بلا ہے

گر تجھ کو ہے عزم سیر گلشن
دروازۂ آرسی کھلا ہے

ولی اس گوہر کان حیا کی کیا کہوں خوبی
میرے گھر اس طرح آتا ہے جوں شیشہ میں راز آتا ہے

جا گیر ساتھ کب دل وحشی کو کام ہے
تجھ زلف کا خیال مجھے لاکھ دام ہے

جس وقت تبسم میں وہ غنچہ دہن آوے
گلزار میں کلیوں کے دہن پر سخن آوے

عالم میں تیرے ہوش کی تعریف کیا ہوں
ایسا تو نکر کام کہ مجھ پر سخن آوے

آیے رہنے کو دنیا میں مکانِ عاشق کوچۂ زلف ہے یا گوشۂ تنہائی ہے

دل چھوڑ کے یار کیوں کے جاوے زخمی ہے شکار کیوں کے جاوے

جب تک نہ ملے شراب دیدار آنکھوں سے خمار کیوں کے جاوے

انجھواٹھے اگر مدد نہ ہووے مجھ دل سے غبار کیوں کے جاوے

غنیمت بوجھ ملنے کو دلی کے نگاہِ پاک بازاں کیمیا ہے

آغوش میں آنے کی کہاں تاب ہے مجھکو کرتی ہے نگہ تجھ قدِ نازک پہ گرانی

ہم کو شفیع محشر دہ دیں پناہ بس ہے شرمندگی ہماری عذر گناہ بس ہے

موسوی خاں فطرت و معز تخلص می کرد و جائے موسوے می آورد تازہ آمد ولایت است و احوالش داخل تذکرہ ہائے فارسی است در زمانِ سلطنت عالمگیر بادشاہ بمنصب سہ ہزاری و خدمتِ خالصہ شریفہ ممتاز بود روزے حضرت بادشاہ در اقتضائے مہمے متردد بود صورت واقع بر سبیل مشورتے بر دو نوع با خان مذکور تقریر فرمودند بعد تامل بعرض اقدس رسانید کہ باعتقاد غلام حرف ثانی معقول است باستماع این کلمہ رائے حضرت بر نامعقول بودن سخن اولی انتقال نمودہ روئے توجہ ازیں بیچارہ گرداندہ بطرف دیگر مشغول شدند چوں ایں عزیز بمغز کلام وا رسید خجالت بسیار کشید بعد برخاست دیوان کہ بخانہ خود آمد بیمارے بہم رسانید اطبا بموجب امر حضور بمعالجت وے حاضر شدند پس از تشخیص معلوم شد کہ زہرہ اش آب شدہ است بالجملہ او از روز تا شام نہ کرد کہ بمقر اصلی رو آورد گویند ایں شعر ریختہ از وست شاید بتقریبے گفتہ باشد۔

از زلف سیاہ تو بدل دھوم پڑی ہے در گلشن آئینہ گھٹا جھوم پڑی ہے

موسوی خاں فطرت

۵ خواجه عطا۔ عطا تخلص از رؤسائے نامدار سرکردۂ ہائے اوباشانِ روزگار بود در عہد عالمگیر بادشاہ بہ بانگ دہلی اشتہار داشت از غایت شہرت محتاج تعریف نیست این دو شعر ریختہ از دست۔

اے در نبردِ حسن تو کیسے بچھاڑ چشم | زیر مژہ نہفتہ چو آہو بچھار چشم

امشب بکوئے دوست عطا پھر بہار ہے | تو بھی کھر بسر کہیں در پر کہسار چشم

میر جعفر۔ جعفر تخلص سید صحیح النسب بود چوں اساس سخنوری بر زٹل قافیہ گزاشتہ بر بناعلیہ زٹلیش می گفتند واز بسکہ کلامش در عوام شہرت تام یافت اغرہائے آں زماں بپاس آبروئے خویش باوے بسلوک شایستہ پیش می آمدند گویند روزے بخدمت مرزا عبد القادر وارد شد پریشان بعد استماع نظم و نثرش چند اشرفی بطریق انعام مرحمت فرمودند بوقتِ رخصت ایں مصرع برخواندو در رفت مصرع ظہوری و عرفی بہ پیش تو ہش۔ غرضکہ از تحائف روزگار بود اکثرے از مزخرفاتش مشہور خواص و عوام است و کلام مضحکش اشتہار تمام دارد از غایت ابتذال احتیاج نوشتن نیست۔

طبقہ دوم

# طبقۂ دوم

در ذکر کلام سخنوران متوسطین برشناسائے اسلوب سخن مخفی و محتجب نیست کہ از عہد عبد اللہ قطب شاہ گرفتہ تا زمانہ بہادر شاہ کسانے کہ شعرائے ریختہ اندنس کلام اینہا بیانے مربوط و معقول است ہر چند کہ اگر الفاظ غیر مانوس گوش با مردم مستعمل ایشاں است لیکن چوں موافق زبان دکھن است درست است پیش ہمہ کس راہ بدہ دارد و نہ

این ستم کہ شاعران ابتدائی زمانہ محمد شاہ باعتقاد خود تلاش الفاظ تازہ و ایہام نمودہ
شعر را از مرتبہ بلاغت انداختند تا معنی چہ رسد غرض ناگفتہ بہ مصرع
خطائے بزرگاں گرفتن خطا است۔ بہر حال فقیر دو ادیں ایں اعزہ فراہم آوردہ
اشعار جستہ جستہ بسعی تمام موافق فہم ناقص خود بوضع انتخاب قلمی نمودہ حق تعالی توفیق
کرامت فرماید شاہ مبارک متخلص آبرو مردے بود درویش منش قلندر مشرب
متوطن گوالیار از فرزندان محمد غوث بعالم حسن پرستی اشتہار تمام داشت چنانچہ مثنوی
صد و پنجاہ بیت درباب تعلیم آرائش خوباں روزگار بسیار سدانت موزوں کردہ است
بالجملہ شعر ریختہ بوضع خود بسیار مربوط می گفت و مشق سخن بخدمت سراج الدین علی خاں
آرزو میکرد کہ بالفعل در فضیلت و کمال فوقش متصور نیست حق تعالی سلامتش دارد
وزیادہ بریں از کمالات آں بزرگوار مثل من ہیچمداں چہ نویسد کہ شمار قطرہ آب باراں
نمودن و سیاحت افلاک پیمودن است ہر چند دماغ ہمچو شخص بریختہ وفا نمی کند لیکن
وسعت اخلاقش تا بحدیست کہ شعر میاں آبرو را بنظر اصلاح ملاحظہ می نمودہ بلکہ گاہ گاہ
بپاس خاطر او خود ہم دو سہ بیت ازیں قبیل می فرمودہ

آبرو

آرزو

از آرزو است

وعدے تھے سب خلاف جو اُس لب سے ہم نے — یہ لعل قیمتی دیکھو جھوٹا نکل گیا
میرے شیخ خراباتے کی کیفیت نہ کچھ پوچھو — بہار حسن کو دے آب جب اپنے چرن کھینچا
میخانہ بیچ جا کر شیشہ تمام توڑے — زاہد نے آج اپنے دل کے پھپھولے پھوڑے
رکھے پیارہ گل کھول آگے عندلیبوں کے — چمن میں آج گویا پھول ہیں تیرے شہیدوں کے
دریا عرق میں ڈوبا تجھ سیم تن کے آگے — موتی نے کان پکڑا تیرے سخن کے آگے

ہرگز نظر نہ آیا ہم کو سجن ہمارا — گویا کہ تھا چھلاوہ یہ من ہرن ہمارا
تیرے دہن کے آگے دم مارنا غلط ہے — غنچے نے گانٹھ باندھا بنکر سخن ہمارا

واہی چند شعر از شاہ مبارک آبرو است

آیا ہے صبح نیند سے اوٹھ رسمسا ہوا — جامہ گلے میں رات کا پھولوں بسا ہوا
بوسا لبوں سے دینے کہا کہہ کے پھر گیا — پیالا بھرا شراب کا افسوس گر گیا
قول آبرو کا تھا کہ نہ جاونگا اس گلی — ہو کر کے بیقرار دیکھو آج پھر گیا
رہے ہر تیس دن مرکانیے سنگہ — کلیجا آہنی ہے آرسی کا
مشتاق عذر خواہی نہیں آبرو تو کیا ہے — یہ روٹھ روٹھ چلنا چلبل کے پھڑکنا
دل تو دیکھو آدمی بے باک کا — عشق سے بھرتا ہے پیالا خاک کا
جدائی کے زمانے کی میاں کیا زیادتی کہیے — کہ اس ظالم کی جو ہم پہ گھڑی گذری سو جگ بیتا
رہتی ہے ولیس مصرع دلچسپ کی طرح — گھر بار ہوئے سرو قداں کا برا بیت
زندگی ہے سراب کی سی طرح — پاؤں بندے حباب کی سی طرح
تجھ اوپر خون بے گناہوں کا — چڑھ رہا ہے شراب کی سی طرح
عالم آب سیں آسان نہیں اے شیخ گذار — خوف سے غرق کے یہاں بحر ہے کشتی میں ہمارا
خوب تیری شکل آ سکتی نہیں تصویر میں — مدتوں ستی مصور کھینچتا ہے انتظار
آج پھر ہم سے کر دیا ہے اداس — ان رقیبوں کا جائے ستیاناس
سج تیرے کے شوق میں چھوڑا — رات کو پھولنے چمن کا پاس
غیر صحبت میں اب لگا جانے — چھوڑ کر اپنی آبرو کا پاس
یا روڈ رو کمر سے مروڑ و نہ پھر کے انگ — آجائے کہیں لچک تو ابھی لاگ جائے لنگ
نکلے ہیں ہم صبا کی طرح جب چمن میں بھول — گلچیں کے دیکھ ہم کو گئے ہاتھ پاؤں پھول

لالچی کیوں آپ کو مشہور کرواتے ہو تم — مانگتے کیا ہو سجن کچھ ہم پہ ظاہر کیجیو
تجھ او ڑھ خواب سے گلشن بیچ جب تم نے لی انگڑائیاں — گئیں مونڈ شرم سے نرگس کی پیالیاں جھک گئی

دور خاموش بیٹھ رہتا ہوں — اس طرح حال دل کا کہتا ہوں

جب چمن میں جا کے پیاری تم نے زلفیں کھولیاں — لے گئی باد صبا خوشبو کی بھر بھر جھولیاں

گلی اکیلی ہے اور یہ اندھیری راتیں ہیں — اگر ملو تو سجن سو طرح کی باتیں ہیں

اے فرخ بے تمیز تجھے کچھ ادب نہیں — معشوق گر ہوا تو خدا کا غضب نہیں

کہتا ہوں میں پکار سنو کان دھر سجن — جو اور سے ملوگے تو دیکھوگے ہم نہیں

سر تا قدم پیارے سے دست دعا ہوا — تیرے بھولنے دیکھ خنجر آب آئینہ

کیوں ملامت اس قدر کرتے ہو بے حاصل تجھے — لگ چکا اب چھوٹنا مشکل ہے اس کا دل تجھے

لک چلنا سجن کا بھولتا نہیں اب تک مجھکو — طرح وہ پاؤں دھرنے کے مرے آنکھوں میں پھرتی ہیں

رستم اس مرد کی کھاتے ہیں قسم زوروں کی — تاب لائے جو کوئی عشق کے جھگجھوروں کی

لب شیریں پہ سجن کے نہیں خط سیاہ — ڈار ٹوٹی ہے مٹھائی پہ شکر خوروں کی

آبرو کو نہیں کم ظرف کی صحبت کا دماغ — کس کو برداشت ہے ہر وقت کے کنکو روں کی

کیا بری طرح بھوں مٹکتی ہے — کہ مرے دل میں آکھٹکتی ہے

زلف کی شان ٹک ادپر دیکھو — کہ گویا عرش میں لٹکتی ہے

تمہاری لوگ کہتے ہیں کمر ہے — کہاں ہے کس طرح کی ہے کدھر ہے

شخصے در تعریف این شعر لطیفہ گفتہ کہ کاش چہ خوب شعر اندہا گفتہ است

ہیں بنگ کے نشے میں ہزاروں طرح کے رنگ — سب بوٹیوں کے بیچ مرصع ہے یہ جڑی

دشمن جاں ہے تشنۂ خوں ہے — شوخ ہے بانکا ہے غضب ہوں ہے

دل کے چھپنے کو یہ لپک چلنا | سحر ہے ٹونکا ہے افسوں ہے
شیخ خرقے میں جب مراقب ہو | گربہ مسکین ہے موئی جوں ہے
یوں آبرو بناویں دل میں ہزار باتیں | جب رو برو ہو تیرے گفتار بھول جائے
دل کب آوارگی کو بھولا ہے | خاک اگر ہو گیا بگولا ہے ہوا
پھرتے تھے دشت دشت دوانے کدھر گئے | وے عاشقی کے آہ زمانے کدھر گئے
نے نام ہے بتایا نہ گھر کا دیا پتا | پوچھوں میں کس طرح کہ فلانے کدھر گئے
اٹھ چیت کیوں جنوں تی خاطر پھٹت کی | آئی بہار تجکو خبر ہے بسنت کی
جیونا مثل حباب اس جگ میں دم کا پیچ ہے | یہ گرہ کھل جا تو دیکھو زندگانی ہیچ ہے
کام کرتی ہے تری دستار کاکل کا تمام | سر تمہارے پر سجن ہر پیچ ڈھیلا پیچ ہے
زندگانی تو ہر طرح کاٹے | مر گئے پھر جیونا قیامت ہے
معشوق ہے وہی کہ وہ اپنے کہے کرے | اور ہم کریں جو منع نہ مانے وہی کرے
قسم ہے مجھے اُس کو تلطف سے | کیا ہے دو کو راضی کس ہنر سے

یکرنگ — مصطفےٰ خان یکرنگ تخلص معاصر میاں آبرو است بخدمت خان آرزو مشق سخن هی کرد ابیات دیوانش همگی وتمامی قریب پانصد شعر خواهد بود سوائے اینکه نبیرۂ خانجہان لودھی است ودر سلک ملازمان بادشاہ منسلک بود ودیگر احوالش معلوم بندہ نیست ابیاتے کہ از دیوانش فراهم آوردہ ام این است۔

چاہتا تھا کہ کہے عشق کی باتیں یکرنگ | کیا کرے ہائے اسے طاقت گفتار نہیں
برگ حنا اوپر لکھوا احوال دل میرا | شاید کبھو یہ جا لگے دلربا کے ہاتھ
نہ کہو یہ کہ یار جاتا ہے | میرا صبر و قرار جاتا ہے

گر خبر لینی ہے تو لے صیاد — ہاتھ سے یہ تسکار جاتا ہے
بتکدہ میں گر برا سر فعل نا معقول ہے — مدرسا دیکھا تو وہاں بھی فاعل و مفعول ہے

سعادت

میر سعادت علی سعادت تخلص متوطن قصبہ امروہہ از فرزندان حضرت شاہ ولایت در کمالِ خوبی آدمیت است ریختہ را تبلاش بسیار می گفت و در اقران و امثال خود امتیاز تمام داشت ہنوز مشقش بہ تکمیل نہ رسیدہ بود کہ بہ آزار تپ محرقہ از جہاں رفت خدا اَتش بیامرزد ایں چند بیت از دست۔

ہوش کھوتے ہیں میرا یہ وہ انکھیاں مست — بس کہ ہوں کم ظرف اچھا تا ہوں پیالہ میں سبت
لکھا چاہے ہے تیرے قد کی تعریف — اُپس کو کیا تراشا ہے قلم نے
شیخ تو جاتا ہے کیوں تسبیح کا وہاں دام لے — وہ صنم کب رام ہوتا ہے خدا کا نام لے
یہ دانا ہیں دوانے جو مجھے زنجیر کرتے ہیں — مرا کوئی دم میں جی نکلے ہے یہ تدبیر کرتے ہیں
مت دکھا اس طرح کی آن مجھے — کوئی دم جینے دے جان مجھے
مثل آئینہ سادہ رویوں کے — مونہہ ہی دیکھے کی آشنائی ہے

شاہ ولی اللہ اشتیاق تخلص با وجود مذاق علمے چاشنی فقر داشت در کوٹلہ فیروز شاہ سکونت داشت از داگزیدہ اوقات عزیز بیاد الٰہی بسری برد ہر گاہ کہ از تدوین و ترتیب نسخہ عقبی فراغتش روے می نمود چیزے از قبیل فارسی بر سبیل تفنن فکر می کرد بندہ روزے بخدمتش حاضر شدم حرفہاے با مزہ می گفت مدت ہفت سال شد کہ بدار البقا انتقال نمود۔

لڑکوں کے پتھروں سے لگے کیونکہ اُسکو چوٹ — ہر ایک گرد باندھے ہے مجنوں کو ڈھول کوٹ
چھوڑ کر تجھکو نہیں اوسے جب لاگ لگے — نہیں مہندی یہ تیرے تلووں سے ہے آگ لگے

بتاں جو ہجر کی باتیں ہمیں سناتے ہیں — کچھ اُن کا دوس نہیں یہ خدا کی باتیں ہیں

محمد شاکر ناجی تخلص سپاہی پیشہ بود در معاوے کہ مصرع شعر پر از معنی آبدار و دبیت
می نہاد و بدرستی طبع و رسائی فکر دادِ سخنوری می داد و زادگاہ او دار الخلافت شاہجہان آباد
است برادر فقیر کہ شعم تخلص می کرد و شعر فارسی بسیار بتلاش ہائے نیکو می گفت رابطہ
اتحاد مربوط داشت گاہ گاہ بتقریب خانہ تشریف می آورد بندہ خود در خورد سالے
اورا دو سہ بار دیدہ ام مزاجش خیلے مائل مزاح بود او تعالیٰ رحمتش کناد

ہوا بازار گل کا دیکھ تجھ رخسار کو مندا — جو دیکھے تجھ قدِ آزاد کو طوبیٰ تو ہو بندا

نہ پوچھو جو دبخود ہے عارض خورشید کی خوبی — لیا ہے ذرہ ذرہ حسن مہ رویاں سے کر چندا

بلند آواز سے گھڑیال کہتی ہے کہ اے غافل — گھٹی یہ بھی گھڑی تجھ عمر سے اب تک نہیں چیتا

تجھ دلکو اپنی زلف میں دے جا سمجھ کے یاں — نکلے گا پھر نہ دیر میں ٹوں دھا ہوا

یہ داؤ کھا بے کا لگتا ہے لالچی سا — حجامیوں سے مل مل انگل رہا ہے کیسا

تجھکو باتوں میں لگا معلوم نہیں کیا کہہ گیا — لے گیا جب دلکتیں منہ دیکھتا میں رہ گیا

ڈوب گئے گئے ملک جب لکھو نے لب دریا پہ زلف — حیف ناجی کو نہ پوچھا کس لہر میں بہہ گیا

دہن جب لال ہو پانوں سے پی کا — خدا حافظ ہے تب غنچے کے جی کا

ترے رخسار کے پرتو سے اے شیخ — پری خانہ ہوا گھر آرسی کا

اس مغل زادے کے کہو بابا سے رکھ اسکو عزیز — مول ہے سارے بدخشاں کا یہ بیٹا لعل سا

بہا ستا ہو یا مہنگا نہیں موقوف غلے پر — یہ سب خرمن اسی کے ہیں خدا ہو جس کے پلے پر

شربت انگل کر نہ زاہد آتشیں لب سکے چوس — شرم کر ڈاڑھی کی کیوں شعلہ کنے لیجا پھوس

رنگ میں ہیگا ترا ہی اور نپٹ ملنے میں گرم — اس طرح کا سانورا کیا ہے جوں اصل طلا

دیکھ سوہن تری کمر کی طرف
پھر گیا مانی اپنے گھر کی طرف

چاند تیرے روبرو خوبی کا کیوں مارے ہے لاف
وہ تو داغی ہے ترا جوں مہر رخسار ہے صاف

عمر دی ساری تم اپنی کر چکے کتب میں صرف
اب تو خط نکلا ملو گے کیوں نہ اسمیں کیا ہے حرف

جو کوئی کچھ کہے پھسل جاوے
شمع رو ہے ہمارا موم کی ناک

لیجاوے شہر شہر پھرا وبھی دشت دشت
کرتا ہے آدمی کو نہایت خراب دل

پیالا پیوے ہے سو نہو ر دل سے
کھولے ہے لب ہزار زور دل سے

یہ سیر باغ نہ ملنا نہ میٹھی باتیں ہیں
یہ دن بہار کے اے جان یونہی جاتے ہیں

ہمیں تو بوسہ ہمنے کہا نہ کہہ کے دیا
جنہوں سے وعدہ کیا تھا نہیں جانتے ہیں

مت کر اتنا جور اس پر جان آخر دل ہے یہ
ٹک پھڑک لینے دے اسکو چھیڑ مت بسمل ہے یہ

چراغ و شمع کی پروا نرکھ یہ تجھکو بالا ہے
نظر کر دل کی آنکھوں سے اندھیرا بھی اجالا ہے

سمجھتے تھے سبھی بنت العنب کو باکرہ یارو
سنو یہ بات بدمستی میں ایکدن ہم سے پھوٹی ہے

اس کے رخسار دیکھ جیتا ہوں
عارضی میری زندگانی ہے

تیر سے دلکو تو زخمی کر چکے تم
اگر سر چاہتے ہو یہ جدا ہے

تبسم نت رقیبوں سے خلل ہے
ترے بھاویں ہنسی میری اجل ہے

کیا فردا کا وعدہ سرو قد نے
قیامت کا جو دن سنتے تھے کل ہے

جان ہے جوڑا ہے دلبر ہے
پر یہ مشکل کہ طالب زر ہے

لب جانبخش آگے تیرے سجن
جو مسیحا کا نام لے خر ہے

یہ سن غلط کی بات ایمل تو اپنی دہن میں پکا ہے
خدا حافظ ہمارا دوزخ بھی ایک شرعی ڈر کا ہے

شعر خوبے است اما آن سر کفر افتادہ است ہر چند شطحیات شعرا بیش ازاں است

اگفتہ شود لیکن با وجود شرف اسلام اینہا بسیار بعید می نہاد او سبحانہ تعالیٰ برحمت خود
کار کند و بگفتار و کردار ما نرود از تا جی است

دو بالا ہو کے مخموری محبت آنکھوں کو لگتا ہے | پیالہ اور بھی پی لے سجن یہ دور چلتا ہے
تجکو کیونکر جدا کروں اے جاں | زندگانی بہت پیاری ہے
نرگس کے تئیں ہیں ہر گز لاتا نہیں نظر میں | دیکھی ہیں جنے آخر پیارے تمہاری انکھیں
سخن سن اس بت کا فراد اکا | جیا ہوگا کوئی بندہ خدا کا

شرف الدین مضمون تخلص از فرزندان حضرت شیخ فرید شکر گنج قدس اللہ سرہٗ
بجمیع صفات موصوف و ہمہ حسنات معروف بود مولدش جائے است در نواح گوالیار
کہ او را جاجیومی گویند چوں سن شریفش از چہل متجاوز گردید دست از قید علائق برداشت
و قدم در راہ آزادگی گذاشت لب دریا مسجدیست مسمی بزینت المساجد او را
مسکن خود قرار دادہ بتوکل میگذارند بسکہ ملین و خوش صحبت بود اکثر از مردم انجا
آخر روز بطریق سیر در حلقۂ مجلس وارد می شدند چنانچہ سعدی گوید

ہر کجا چشمۂ بود شیریں | مردم و مور و مرغ گرد آیند

بوقت موعودہ سر در پردۂ اختفا کشید و بعالم قدس ساس گردید خدایش بیامرزد
شعر ریختہ را بتلاش الفاظ و معنی تازہ میگفت ایں چند بیت از وست

ہوئے ہیں ہر قطرہ ستی اپس آنسو ڈھلک دریا | کہیں کیونکر نہ چشموں کو ہیے مردم اپک دریا
کہے ہے نہیں نوح کا طوفاں میری آنکھوں سے ہم چشمے | گیا و خشک ہو کب کا ہم ہیں ہیں اب تلک دریا
افسوں مار جھٹ پٹ لیتے ہیں دلکو اٹکا | کن ساحروں سے سیکھا زلفوں نے تیری لٹکا
چھپ کر مخالفوں سے آ اس طرح پلنگ پر | کوئی سنے نہ پیارے تیرے قدم کا کھٹکا

ابلو کا رسہ اسے مثل تنور مضموں
یک قرص ناں کے خاطر تو کیوں پھرے ہے بھٹکا

کلی کھلتی ہے وہاں اسکی جہاں خندہ نکالے ہے رلا
ہوا معلوم مجھکو یہ کہ اب یہ طفل کھل کھیلا

بند شیشے میں کیا ہے تو بھی پھڑکاتی ہے آنک
دختر رز کی نہیں جاتی ہے ہرگز تاک جھانک

صدق سے بوسہ طلب کرتے ہیں گر باور نہیں
مصحف رخسار پر پیارے رکھا لو ہمسے ہاتھ

جہاں آگے سے جب کشتی میں وہ محبوب جاتا ہے
کبھی آنکھیں بھر آتی ہیں کبھی دل ڈوب جاتا ہے

ہمارا اشک قاصد کی طرح یکدم نہیں تھمتا
کسی بیتاب کا شاید لئے مکتوب جاتا ہے

ہم فقیروں میں تمہارا لے میاں کیا کام ہے
تم تو طالب زر کے ہو اور یہاں اللہ کا نام ہے

نہ یہی فتنہ قد و قامت ہے
ہنس کے پھر دیکھنا قیامت ہے

گر نہ تھا نقش روئے زمین پر ہمیں مراد
قالی اگر نہیں تو نہیں بوریا تو ہے

ایک تو تھا ہی وہ مہ رو خود پسند
ہو گیا دیکھ آرسی کتیں دو چند

خط اس کے آگیا ہے میری ہی سفید ریش
ملنے کو اب نہیں وہ بتاتا ہے شام و صبح

احسن اللہ

احسن اللہ معاصر میاں مضمون و آبرو بود دبرویہ شعرا نہا تلاش لفظ تازہ و ایہام میکرد اما از غایت ہجوم الفاظ معنی شعرش کمتر بنظر می آید ابیاتے کہ بعد غربال کردن دیوانش برآوردہ ام اینست

نام نستعلیق کا ہے اس بت خوش خط کے زلف
ہم تو کافر ہوں اگر بندے نہوں اسلام

نہیں مضمون خط احسن اللہ
کہ حسن خوبرویاں عارضی ہے

شرف الدین علی پیام تخلص مرد عزیز الوجود بودہ است اصلش از خاک اکبر آباد است شعر فارسی بکمال خستگی می گفت نظم ہائے رنگین و نثر ہائے متین دارد احوالش حسن و حسن داخل تذکرہ خان آرزو است و ایں دو سہ شعر ریختہ نیز از وست

بات منصور کی فضولی ہے ورنہ عاشق کو آہ سولی ہے
دہلی کے کجکلاہ لڑکوں نے کام عشاق کا تمام کیا
ایک عاشق نظر نہیں آتا ٹوپی والوں نے قتل عام کیا

میر ناصر ساماں تخلص می کرد و باکمال بے سروسامانی می زیست وطن او جونپور است در ابتدائے سلطنت محمد شاہ بدار الخلافہ اقامت داشت و اکثر بخدمت خان آرزو ملاقات می نمود دیگر احوالش معلوم فقیر نیست ایں مطلع و حسن مطلع از و است
اٹھیں کیونکر نہ اس دل سے بھبھوکے کبھو تھے آشنا ہم بھی کسو کے
رقیب اس بھانت جلتے ہیں ہیں دیکھ گویا رشتے ہیں ہیں اس شمع رو کے

بینوا تخلص شاعرے بود گمنام از ساکنان قصبہ شیام شوخ چشم ظریف طبع گاہ گاہ بطریق لطیفہ شعر بدیہہ می گفت و در اوائل سلطنت محمد شاہ بدار الخلافت رسید واز ہر یکے کہ دراں عرصہ بعرصہ بود ملاقی گردید روزے در مجلس مشاعرہ وارد شد میاں شاہ مبارک آبرو کہ احوالش گذشت بد والتفاتے نہ کرد بعد دیرے کہ چار شدند گفت کہ میاں آبرو صاحب شما از احوال مخلصاں ایں ہمہ تغافل می کنند کہ گویا جائے ہیں چشم نہ شدہ اند چوں ایشاں یک چشم نداشتہ ایں لطیفہ بغایت موقع افتاد وہر یکے حضار خندہ بسیارے کرد غرض کہ از تحائف روزگار بود خدایش بیامرزد از دست

بینوا ہوں زکواۃ حسن کی دے او میاں مالدار کی صورت

محمد اسمعیل بیتاب تخلص می کرد شاگرد میاں یکرنگ بود گاہ گاہ فکر شعر می کرد ہنوز از مرتبہ موزونیت نیامدہ بود کہ برحمت خدا رفت۔

نہ ہوتا گر کسی سے آشنا دل | تو کیا آرام سے رہتا ہمارا دل
تڑپ کر مرگئی بلبل قفس میں | پڑی تھی ہائے کس ظالم کے بس میں

محمد محسن فدوی تخلص از نجیب زادہ ہائے دہلی است با میاں مضمون و آبرو صحبتہا داشتہ است در علم موسیقی مہارتے تمام دارد و ستار را بربط نیکو می نوازد و آنچہ معلوم است از استکتاب اشعار و ابیات خویش متنفر است با فقیر آشنا است۔

ایک ملنا غیر کا تو چھوڑ نہیں سکتا سجن | دیکھ تو عاشق نے تیرے واسطے کیا کیا تجا

محمد حاتم حاتم تخلص ہم صحبت میاں مضمون و آبرو است اصل و منشاوی شاہجہان آباد است در روزگار سلطنت محمد شاہ بادشاہ منصب ندیمی و خدمت بکاولی نواب عمدۃ الملک مغفور پایہ امتیاز داشت بعد فوت او توکل روزگار نمودہ بکمال آزادگی می گزارند کلیاتش ضخیم است و ابیات دیوانش قریب چہار ہزار بیت از نظر گذشتہ شعر خوب جستہ جستہ می برآید حق تعالی سلامتش دارد

دوں کے راہ میں خطرے پڑے ہیں کیا یارو | کہ چند روز سے موقوف ہے پیام سلام
ست عاشقوں پہ جور و ستم اس قدر کرو | عالم کا ڈر نہیں تو خدا کا تو ڈر کرو

شہاب الدین ثاقب تخلص متوطن شیوہا راست مشق سخن بخدمت میاں آبرو می کرد سابق بریں چہار سال اتفاق دیدنش افتادہ الحال مفقود الخبر است شاید بوطن خود رفتہ باشد۔

ثاقب کی لاش اوپر قاتل نے آکے پوچھا | یہ کون مر گیا ہے کس کا ہے یہ جنازہ

میر لچھمن پاکباز تخلص خلف الرشید میاں شاہ کمال است پدر بزرگوارش شیخ

تمام دارد روز جمعه مجلس سماع بخانہ اش مقرر است اکثر قوالانِ شہر درآنجا می آیند و دیگر مردم بتقریب سماعت نیز حاضر می شوند نیکوادائے ہائے تواجد شیخ مشہور است بندہ در میانِ مجلس بخدمت میاں پاکباز ملاقات کردہ ام گویند در مبادی حال فکر شعر می کرد و از مصطفیٰ خاں یکرنگ اصلاح می گرفت ایں یک شعر بنام او شہرت دارد

مجھے یہ ہنستے ہیں نت دردوالم گھیر کیا انصاحب ــــ خبر لیتے نہیں کیسے ہو تم میرے میاں صاحب

مرادعلی قلی ندیم تخلص مولدش شاہجہاں آباد است در فرقہ کہ بخطاب خانی سرفراز نمانده سابق بریں چند سال اکثر مرثیہ حضرت ابی عبداللہ الحسین علیہ الصلوٰۃ والسلام بقوت تام و قدرت تمام می گفت و در مشکل ترین ردیف و قوافی طبع آزمائیہا می کرد چنانچہ شہرت ابیاتش گواہ عدل ایں دعویٰ است بالفعل کہ طور گفتن مرثیہ بے اوبانہ دلنشین مردم است دست ازیں کار برداشتہ بگفتنِ شعر ریختہ مشغول است حق تعالیٰ سلامتش دارد۔

جدائی میں تیری ہم کیا کہیں کس طرح جلتے ہیں ــــ بجائے مو بدن سے شعلۂ آتش نکلتے ہیں

بیقرار عشق کو ہے زندگی نقص کمال ــــ مر چکے سیماب تب کہتے ہیں یہ اکسیر ہے

جعفر علیخاں عمدہ عمدہ زادہ مقرر یست بطلاقت لسان و عذوبت بیان نظیر ندارد گاہ گاہ یکدو مصرع ریختہ فارسی موزوں می کند بندہ بخانہ نواب نعمت اللہ خاں قراول بیگے بادشاہے بخدمتش ملاقات کردہ ام انواع شعر را بروجہ اتم می فہمد

نہ ہو کھو جی ہمارے آنسوؤں نکلے منزل و رہ کے ــــ خدا جانے کدھر یہ بے سروپا جائیں ہیں بہکے

ٹیک چند قوم او زرگر بود بہار تخلص می کرد علم منطق و معانی مع دیگر علوم بدرستی ورزیدہ علی الخصوص در تحقیق لغت دست وافی داشت چنانچہ دریں باب خودش کتابے

تصنیف کردہ کہ نامش بخاطر نیست و از یں قبیل چند تصانیف دیگر دارد و وقتے کہ خان آرزو سراج اللغۃ تصنیف می کردند بعضے غلطی ہا بر آوردا یشاں از غایت انصاف کہ خاصہ کمال است دخلہائے وے خاں برداشتند اکثر شعر فارسی می گفت گاہ گاہ دو سہ بیت ریختہ نیز موزوں نمودہ۔

وہی اک ریسماں ہے جسکو ہم تم تار کہتے ہیں — کہیں تسبیح کا رشتہ کہیں زنار کہتے ہیں
نہیں واعظ ڈرا تا کیوں ہے دوزخ کے ڈرکوں سے — معاصی گو ہمارے ہیں پہ کچھ مغفرت کم ہے
نہیں معلوم کیا حکمت ہے تیغ اس آفرینش میں — مجھے ایسا خرابی کیا تجھ کو بنا جاتے

عاصی — خواجہ برہان الدین عاصی تخلص از نبائر خواجہ احرار در کمال دانائی وہشیار خرامی و بذلہ گوئی و نادرہ کلامی مستثنائے روزگار بود در عالم جواہر شناسی بصارت تمام داشت مولدش شاہجہاں آباد است در محلہ بہار پورہ کہ واقعہ شہر نو است با اعزاز و امتیاز بسر می برد اکثر فکر شعر مرثیہ می کرد و گاہ بپاس خاطر احبا دو سہ بیت غزل نیز موزوں می نمود سابق بریں دو سال از جہاں رفت با فقیر جوش شہا داشت خدایش بیامرزد از دست۔

چمن کے تخت پر جسدن شہ گل کا تجمل تھا — ہزاروں بلبلوں کی فوج تھی اور شور تھا غل تھا
خزاں کے دن جو جا دیکھا تھا جز خار گلشن میں — بتاتا باغبان رو رو کے یہاں غنچہ تھا یہاں گل تھا

حشمت — محمد علی حشمت تخلص از مردم کشمیر بود حیا و حمیت و آدمیت خلاف کلیہ وطن داشت سابق بریں دو سال برفاقت قطب الدین علی خاں کہ آوازہ سخاوت و شجاعت وے در اطراف و اکناف عالم شہرتے عظیم دارد و معہذا بشرح و بسط آں تنگ حوصلگی اوراق این اوراق برمی تابد بسمت چکلہ مراد آباد رفتہ بود چوں دراں جا با فوج علی محمد روہیلہ

پائے جنگ بیاں آمدہا آنجا مع خاں مذکور بجرأت تمام کشتہ شد خدایش مغفرت کناد

خطنے ترا حسن سب اوڑا یا　　یہ سبز قدم کہاں سے آیا

حکیم یار علی خاں تخلص بشفا جوانیست مستعد کم وبیش از ہمہ جا آشنا علی الخصوص در فن کلیابت دست خوبی داشت گاہ گاہ دو سہ بیت ریختہ و فارسی نیز می گوید بہرحال مرد خوبے است ہر جا کہ ملاقات می نماید بسیار برودے کرم پیش می آید خدایش زندہ داراد از دست

جوں ڈاک کے دینے سے دونا کھلے ہے یاقوت　　چمکا ہے رنگ پان سے جوہر ترے لبا نکا

محتشم علی خاں حشمت تخلص می کرد اصلش از شاہجہاں آباد است پدر بزرگوارش میر باقی نام از مردمان مشاہیر بود گاہ گاہ دو سہ شعر ریختہ و فارسی باکمال تانگی می گفت و در سلک ہر مصرعش گوہر معنی نایاب می سفت قبل ازیں ہفت سال بمرگ دفعتہ از جہاں رفت او تعالی رحمتش کناد از دست

نکہت گل نے جگایا کسی زنداں کے بیچ　　پھیر زنجیر کی جھنکار پڑی کان کے بیچ

بہار آئی دیوانے کی خبر لو　　اگر زنجیر کرنا ہے تو کر تو

مخلص راجہ نندرام مخلص تخلص توم کھتری وکیل اعتماد الدولہ مغفور بود با وجود مرجعیت و کثرت جواب و سوال دو دربار صبح و شام شعر فارسی بدرستی تمام می گفت بخدمت خان آرزو ہنگامہ موافقی گرم داشت و مشورہ سخن نیز بخدمت ایشاں می کرد چوں رواج فن ریختہ بسیار دید خودش سہ چار بیت ازیں قبیل موزوں کرد چنانچہ ایں شعر از دست۔

دھوم آدمی کے کس کی گلزار میں پڑی ہے　　ہاتھ ار گجے کا پیالہ نرگس لئے کھڑی ہے

نادر تخلص نوجوانے بود نادرہ گوئی شعر بہ ندرت میگفت واکثر از خطوط خوب می نوشت ظاہر اور سلک رسالہ آحدیاں بادشاہے سرفرازی داشت قبل ازیں دو سال در کوٹلہ فیروز شاہ کہ قدیم مسکن وے بود مسلول شدہ انتقال نمود۔

زلف کو کہنا پریشاں عقل سے دور ہے یہ — ہر گرہ میں دل ہے اس کے گانٹھ کی پوری ہے یہ

دلبر کہیں ہو چشم سے عاشق کے دور نہیں — دل مل رہے ہیں چشم کا ملنا ضرور نہیں

لپٹے ہی جا ہے چہرے سے خورشید رو کی زلف — اتنی بری ہوئی پہ ذرا بھی شعور نہیں

سجاد

میر سجاد جوانیست مستعد متوطن شاہجہاں آباد بصفات حمیدہ موصوف و اخلاق پسندیدہ معروف صنائع لفظے را تبلا شہائے معین معارن معنی نشاندہ و معنی را بوساطت الفاظ رنگین باوج سربلندی رساندہ۔

شعر گر وصف چشم میں وہ کہے — ہے معنی میں اس کے یوں ایہام

گر تو باور کرے جس طرح دو مغز — ہوئیں توام میاں یک بادام

ابیات دیوانش قریب ہفصد شعر در نظر در آمدہ شعر ہجا کمتر می آید

کافروں سے داد نچاہو کہ یہاں کوئی — مر جائے گر ستم سے تو کہتے ہیں حق ہوا

ہوتی نہیں ہے سرد ہمارے یہ دل کی آگ — لاگی ہے جس زمانے سے جلتی ہے دھر دھام

لٹکی ہیں بسکہ تیرے راہ دیکھ دیکھ کے چشم — مژہ سے ان کے مژہ تک ہیں کئی کوس

رہا تو زلف میں جا دل پہ ڈر ہے آنکھوں کا — بسے ہیں خونی و خونخوار خانہ جنگ پڑوس میں

کس طرح کوہ کن پہ گزریں گی — ہجر کی یہ پہاڑ سی راتیں

میرے تمام حال کی تقریر ہے یہ زلف — روز سیاہ نالہ شبگیر ہے یہ زلف

اگر وہ صبح کو مجرا کسی کا لینے کو — نکل کے گھر ستی آوے تو ہم سلام کریں

شب ہجر میں میرے جلنے کی قدر | نہیں پوچھے شمع اسکو بجھاؤ
میرا جلا ہوا دل نہیں اس مژہ کے لائق | اس آبلے کو ناحق کانٹوں میں کھینچتے ہو
عشق گردش نہ آسمانی ہے | یہ بلا کوئی ناگہانی ہے
رات اور زلف کا یہ افسانہ | قصہ کوتہ بڑی کہانی ہے
سرخی لب ہر آن میں کچھ ہے | یوں کچھ اور رنگ پان میں کچھ ہے
اس زمانے کی دوستی کا رنگ | آن میں کچھ ہے آن میں کچھ ہے
نہیں پہنچتی ہے جب تیں اس کی تیاں تلک | تب تک ہماری خاک کی مٹی خراب ہے
یار کا جامہ ہمیں ہیگا عزیز | یوسف اپنا پیرہن تہ کر رکھے
دل کی جمعیت نہ کھو لب کھول کر | ہوتی ہے غنچہ پریشاں بول کر
بند میں مت ہو دوانے عقل کے | کر گریباں چاک چھاتی کھول کر

فضل علی دانا تخلص مولدوے شاہجہاں آباد است انجاکہ رتبہ و حالت او سبب شاعری دوں مرتبہ است بخدمت مولوی برہان الدین کہ از مشائخ کبار ایں زماں است بسبب اراوت درست بکمال آزادی و آزاد وضعی میگذارند ہر چند نظام در ذیل خواصان بادشاہے پابند علاقہ روزگار است لیکن در حقیقت از ہمہ چیز دست بردار گویند روزے در لشکر نزدیک سراچہ خاص ہمراہ آشنایان دربار نشستہ چیزے میخوردند دریں اثنا حضرت ظل سبحانی با دو سہ خواجہ سرا از سوئے خیمہ برآمدند دیگراں دست و پا گم کردہ از سر طعام برخاستند گرایں بابا کہ از جائے خود حرکت نہ کرد حضرت کہ چنیں ملاحظہ کردند باز داخل سراچہ شدند روز دوم کہ ایں عزیز باریاب مجرا گردید باشارہ فرمودند کہ پیش بیا چوں نزدیک رفت

ارشاد شد کہ اے شکم پرور دیروز ما بدولت و اقبال برآمدیم و تو از سر حمام برنخواستی عرض نمود کہ فی الواقع تقصیر دارم لیکن در انوقت مشغول تعظیم شخصے بودم کہ تعظیم وے بنعمت وابستہ اوست و این کلمہ را چنیں برزبان راند کہ بر دلہا موثر افتاد و حضرت از غایتِ انصاف براستقامت وے آفریں ہا خواندند و تکلیف نوکری او را معاف

| | |
|---|---|
| بہر صورت خدا کو دیکھنا عنوان ہے میرا | یہی توحید میں مصرع سر دیوان ہے میرا |
| مقابل بیٹھ کر میرے مجھے باتوں ہی بہلا | میرا دل لیگیا حجام کا سر کتیں سہلا |
| ترے چہرے کی گرمی سے ہوئیں یا ریوں الجھیاں | کہ جوں خورشید کی تابش سے جاتیں ہیں ہرن کہلا |

سلیمان نام نوجوانیست کہ در حسن و جمال عدیم المثال است دلش فریفتہ او بود چنانچہ دریں شعر نام او آورد از دانا ست۔

| | |
|---|---|
| اے سلیماں باخبر ہو ملک خوبی کو سنبھال | خط کا پہنچا حسن ہے کرنے کو تیرے ہو چال |
| سادہ لوحی میں جو کچھ کہتا تھا تو سنتے تھے ہم | ابتو خط نکلا ترے اے شیخ اپنا منہ سنبھال |
| نہ چاٹے خون کو جس تیغ میرے اوسکے فاقہ ہے | رگ گردن ہے میری اوسکے خنجر کو ملاقہ ہے |
| تجھ انتظار میں پیارے مثال آئینہ | تمام عمر پلک سے میری پلک نہ لگی |
| ہنیں ملتے کے کیوں رگڑے ہے سر سجدہ میں آ زاہد | لگی جو بات ماتھے پر مقرر وہ تو پیش آنی |
| جب گفتگو میں تم نے غنچہ سے منہ کو کھولا | جھڑتے ہیں پھول گویا کیا بات ہے تمہاری |

قزلباش خان امید تخلص مغل ولایت از بخبائے ایران زمیں است تمام عمر در عیاشی و عاشق پیشگی بسر برد و در سنہ احد شہید مرحوم بنابر تفرقہ ایران بممالک ہندوستان افتاد خوش طلعتان ایں جا نہ گزاشتند کہ باز بوطن خود رود و ہمیشہ مصروف

امید

گپ زدن و لطیفہ گفتن با نہا بود علی الخصوص نوربائے را از خوباں جہاں بسیار دوست می داشت چنانچہ روزے بائے مذکور بخانہ اش مہمان بود اتفاقاً ھنگام اختلاط مذکور طبابت درمیاں آمد گفت خاں صاحب دے روز بنابر بخار چشم پیش حکیم رفتہ بودم فصد تجویز کردہ است صاحب دریں امر چہ می فرمایند تبسم شدہ جواب داد حکیم صحیح می گوید اگر از من می پرسید برائے شما حجامت بسیار مناسب است چوں برائے دفع آشوب چشم حجمہ گذاشتن معمول اطبا است ایں لطیفہ بغایت موقع افتاد غرض زندگی دہ روزہ بخلاف اہل دانش بنوعی بسر برد کہ رشک عمر نوح میتواں گفت او تعالی رحمتش کناد

یار بن گھر میں عجب صحبت ہے — در و دیوار سے اب صحبت ہے
ٹال دیتا ہے ہنسکے باتوں میں — رو کے کہتا ہوں جب میں اپنا حال

زبان

اسدیار خاں المتخلص بانسان ساختہ پرداختہ نواب امیر خاں در کمال فطرت و فطانت و غایت تمکین و متانت شہرہ آفاق بود چوں نواب مسطور بصوبہ داری الہ آباد تشریف فرمود ایں یار البصلح بعضے امور در حضور پرنور مقرر نمود از انجا کہ مصاحب بدرست واقع شدہ بود در عرصہ چند روز بدل بادشاہ غفران پناہ جا گرفتہ مخاطب بخطاب اسد الدولہ بہادر کرد ھر چند بنا بر کثرت اشتغال امور ملکی دماغ شعر و شاعری نداشت مطلع از وست۔

جہاں کے بیچ اپنے آن میں ہر ایک یکتا ہے — نظر کر دیکھ مشت خاک میں کیا کیا جھمکا ہے

انجام

نواب امیر خاں تخلص دے انجام است از بنائر شاہ نعمت اللہ ولی بود عیاش و ہندوستان بشرف امارت وزارت در ہمچشماں خود اعزاز و احترام داشتند خود ش

در زمان سلطنت محمد شاہ بادشاہ بمنصب ہفت ہزاری و خدمات متعددہ سرافرازی داشت پیش آمدش در حضور اقدس اعلیٰ موجب حسد و غبطہ معاصرانش بود چنانچہ بعد انقضائے ہنگامہ نادر گردے بسبب رنجش نواب آصف جاہ بصوبہ داری الہ آباد رفت و بعد از چندے کہ حضرت ظل سبحانی فرمان طلب برائے او فرستادند در جواب آن عرضے کرد و مطلع ریختہ کہ بعد ازین مرقوم خواہ شد جہاں وقت موزون نمودہ در جواب آن مندرج ساخت آخر الامر بنوشتہ وزیر مرحوم اعتماد الدولہ بہادر بحضور آمد سال تمام برآن نکشید کہ قضا رگ پاں بصورت جمدہر فولاد ساختہ بدست غلام نمک حرام زمین جائے دروازہ قلعہ بادشاہے برائے رخصت روح او فرستاد حق تعالیٰ رحمش کناد انہ

اب بھی احسان ہے تیرا جو نہوں آزاد ہم     پھر چمن میں جائیں کیا منھ لیکے اے صیاد ہم

مرزا گرامی خلف عبد الغنی بیگ قبول از مردم کاشمیر است شعر فارسی بوضع خود بسیار مرتبہ می گفت چنانچہ احوالش من وعن داخل تذکرہ ہائے فارسی است و از انجا کہ چیزہائے چند از قبیل شعبدہ و نیرنکات بدست آوردہ عالمے را آب میراند و بطور ملاحدہ و ضندقہ با کمال بے معنی و بے باکی می زیست ہموارہ مطعون زمان ارباب تحقیق می بود در آخر سلطنت حضرت فردوس آرامگاہ حرف وجودش کزلک فنا از صفحۂ روزگار بر داشت گویند ایں شعر ریختہ از دست۔

حاضری بن محل نہیں کھاتا     بیگمی ہے پنیر نعم کا

کمترین از قوم افاغنہ از قبیلہ ترین بود و بہمیں نسبت کمترین تخلص مینمود در عالم ہزل گوئی و ہجو پردازی نظیر خود نداشت چنانچہ ہفصد شعر در مذمت اہل حرفہ بر سبیل شہر آشوب ازوے یادگار است مدت العمر در دار الخلافہ بسر بردہ آخر حال در سرکار وزیر الممالک نواب

مرزا گرامی

کمترین

غازی الدین خاں بموجب درخور میگذرانید درہمیں سال ازجہاں رفت

اگر پھانڈوں سے عقد نہیں ملتے ہیں ناقوس | توکیوں پیسے کماتے ہیں یہ نقلیں کر براتوں میں
پلاکر مست نقرانے کو تاڑی | اگاڑی اصطبل کی جا پچھاڑی

# طبقۂ سوم

دربیان اشعار و احوال شعرائے متاخرین بر متتبعان فن ریختہ مخفی و محتجب نماند انچہ

الحال اشعار و احوال شعرائے متاخرین نوشتہ می آید طرز کلام اینہا مانا بروتیرۂ فارسی

است چنانچہ جمیع صنائع شعرے کہ قرار دادہ اساتذہ اسلاف است بکار می برند و اکثرے

از ترکیبات فرس کہ موافق محاورہ اردوے معلی مانوس گوش می یابند منجملہ جوازلا میدانند

الاترجمان زبان مغل بریختہ کردن بقبیح است چہ دریں صورت صحت زبان

یکے از ہردو نمی ماند و اگر بعضے از اصطلاح کہ زبان زدمردم فصحائے ایں دیار بود کردہ آید

چنداں مضائقہ ندارد اما اتباع و تقلید کساں طبقہ اولی کہ یک مصرع شان ریختہ

و دیگرے فارسی است و در بعضے مقام ریختہ فارسی بالفاظ غیر مانوس مخلوط ہم ساختہ

مذموم محض می انگارند بہر حال ایں منتخب طویل الذیل موقوف بر سلیقہ شاعر باید نمود

بیش ازیں بر صداع سامعان نباید افزود اگر درخانہ کس است اشارتے بس است

گوہر یکتائی سیادت لعل بے بہائے کان نجابت علت غائے وجود سخن ملہم معنی

آسمان مسکن افضل الفضلا افصح الفصحا میر شمس الدین فقیر سلمہ اللہ تعالی مردے از خاندان

بزرگ و در نہایت فضل و کمال است پسر نواب سعادت خاں امیر الامرائے عہد

میرزا احمد کہ عبارت از سیف الدولہ بہادر است مشق سخن بخدمت آں سید جلیل القدر

می نمود چوں مستغنی المزاج ش یافت نقدی مبلغ دو صد و بست روپیہ تکلیف نوکری بفرقہ احدیاں بصاحبت تمام بنام او مقرر ساختہ ہر چند لاتقش نبود لیکن برائے احتیاجات ضروری کہ انسان را از وگریز نیست طوعاً و کرہاً قبول نمودہ غرض در فن شعر فارسی فکر رسائے دارد و بنا بر تفنن طبیعت دو سہ بیت از قبیل ریختہ می فرماید

ترا منہ دیکھ بلبل گل سیتی بیزار ہو جائے
اگر گل تجھ تلک پہنچے گلے کا ہار ہو جائے

زندگی موج آب ہے گویا
دم کا آنا حباب ہے گویا

خال تیری بیاض گردن پر
نقطۂ انتخاب ہے گویا

مرہم گزار سینہ ریش معنی بادشاہ و بصورت درویش معنی آگاہ عارف باللہ مرزا جانجاناں مظہر سلمہ اللہ تعالی عالم و عامل عارف و کامل سر آمد ارباب تحقیق و پیش رو اہل تدقیق است در ظاہر و باطن مرتبہ رفیع و شانے عظیم دارد در اوائل جوانی کہ مقتضائے آن ظاہر است بشعر و شاعری مشغول بود آخر حال خود را ازاں اندیشہ باز داشتہ بر سجادہ طاعت بفقر و قناعت می گذارند و ہمیشہ ہمتش مصروف تکمیل اہل ارادت می باشد ایں چند بیت ریختہ وغیرہ تلامذہ ایں فن برائے تعلیم انعام اللہ خاں یقین موزوں کردہ از دست

یہ دل کب عشق کے قابل رہا ہے
کہاں اس کو دماغ و دل رہا ہے

خدا کے واسطے اس کو نہ ٹوکو
یہی ایک شہر میں قاتل رہا ہے

نہ آوے بالش مخمل اوپر خواب
یہ سر پاؤں سے تیرے ہل رہا ہے

ہنسنے کی ہے تو یہ در دھوم مچاتی ہے بہار
ہائے کچھ چلتا نہیں کیا مفت جاتی ہے بہار

لالہ و گل نے ہماری خاک پر ڈالا ہے شور
کیا قیامت ہے موؤں کو بھی ستاتی ہے بہار

قاتل کو دیکھ بیستر گلی کے سٹ گئی
یہ راہ چھاتیوں کے کواڑوں سے پٹ گئی

اودھر نگہ کی تیغ ادھر آہ کی سناں
اس کشمکش میں عمر ہماری ہی کٹ گئی

چلے ہم گل کے ہاتھوں سے جلا کر خانماں اپنا
یہ تھوڑا ہائے بلبل نے چمن میں کچھ نشاں اپنا

رقیباں کی نہ کچھ تقصیر ثابت ہے نہ خوباں کی
مجھے ناحق ستاتا ہے یہ عشق بدگماں اپنا

کوئی آزاد کرتا ہے سجن اپنے کو ہے ظالم
یہ دولت خواہ اپنا مظہر اپنا جان جاں اپنا

اگر گل کو گل کہوں تو تیرے رو کو کیا کہوں
بولوں نگہہ کو تیغ تو ابرو کو کیا کہوں

تیکھے خون کا پیاسا کسی کی جان کا دشمن
نہایت منہ لگایا ہے سجن نے بیڑیاں کو

آتش کہو شرارہ کہو کو ٹیلا کہو
مت اس ستارہ سوختہ کو دل کہا کرو

مرتا ہوں میرزائی گل دیکھ ہر سحر
سورج کے ہاتھ چوری ڈنکا صبا کے ہاتھ

مظہر چھپا کے رکھ دل نازک کو اپنے تو
یہ شیشہ بچتا ہے کسی میرزا کے ہاتھ

نمبر بیستم

عندلیب خوش نغمہ گلشن روزگار گل سرسبد محافل اشعار یگانہ کشور فضل نقادہ دودمان کمال انتخاب نسخہ صاحب کمالی حضرت میرزا رفیع سودا مدظلہ العالی دریچہ نزہتگاہ معنی بروے وے کشادہ است کہ دو مصرع کلک معجز طرازش شہرت را آمادہ اشعار رنگین و قصاید متین دارد چنانچہ قصیدہ کہ در پیکر در میں بہار و بحر بیکراں و تضحیک روزگار وغیرہ از تصانیف اوست والد شریفش میرزا شفیع نام مغل زادہ بعمل تجارت مشہور بود بوقت معہودہ بقدس برین شتافت زرے از ترکہ وے بدست میرزا افتاد در مدت قلیل بمقتضاے شاعر مزاجی بر سبیل باد دوستیہا بباد داد و بمصاحب بیشگی بر آمد قبول ملوک نامدار و تقرب سلاطین عالی مقدار او را میسر گشت بالفعل بخطاب ملک الشعرائے کہ بہین پایہ سخنوراں است

اعزاز و امتیاز دارد الٰہی سایۂ اش از سر بے سروپایاں کم مباد مجنون و فرہاد

آدم کا جسم جب کہ عناصر سے مل بنا | کچھ آگ بچ رہی تھی سو عاشق کا دل بنا

بیکس کوئی مرے تو جلے اُس پہ دل مرا | گویا ہے یہ چراغ غریبوں کے گور کا

ٹوٹے تری نگہ سے اگر دل حباب کا | پانی بھی پھر پئیں تو مزہ ہے شراب کا

موج نسیم آج ہے آلودہ گرد سے | دل خاک ہو گیا ہے کسی بیقرار کا

کیونکہ وہ شوخ کتابت لکھے مجھ کو جنے | کھیل ہے ضد سے میری چھوڑ دیا پانی کا

زباں ہے شکر میں قاصر شکستہ پائی کے | کہ جس نے دل سے مٹایا خلش رہائی کا

دل مت ٹپک نظر سے کہ پایا نہ جائیگا | جوں اشک پھر زمیں سے اٹھایا نہ جائیگا

رخصت ہے باغباں کہ ٹک دیکھ لیں چمن | جاتے ہیں واں جہاں سے پھر آیا نہ جائیگا

ظالم نہ میں کہا تھا کہ اس خوں سے درگزر | سودا کا قتل ہے یہ چھپایا نہ جائیگا

داماں و داغ تیغ جو دھویا تو کیا ہوا | عالم کے دل سے داغ دھلایا نہ جائیگا

سودا قمار عشق میں شیریں سے کوہکن | بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا

کس منہ سے پھر تو آپ کو کہتا ہے عشق باز | اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

نواحی میں ترے کوچے کی ہے یہ حال ہوا | کہ جوں چغد آشیاں گم کرکے بستی میں پھرے بھٹکا

سودا ہوئے جب عاشق کیا پاس آبرو کا | سنتا ہے اے دوانے جب دل دیا تو پھر کیا

موج آتش ہے سیل آنکھوں سے | شاید اب دل کا آبلہ پھوٹا

تجھ قید سے دل ہو کر آزاد بہت رویا | لذت کو اسیری کے کر یاد بہت رویا

تصویر میری تجھ بن مانی نے جو کھینچی تھی | انداز سمجھ اس کا بہزاد بہت رویا

سودا سے کہا میں نے دل میں بھی کچھ کہو دل | وہ کر کے بیاں اپنا روداد بہت رویا

ساقی ہماری تو یہ تجھ پر ہے کیوں گوارا　　منت نہیں تو ظالم ترغیب یا اشارا

تیرا دل مجھ سے نہیں ملتا میرا دل رہ نہیں سکتا　　غرض ایسی مصیبت ہے کہ میں کچھ کہہ نہیں سکتا

پھرے ہے شیخ یہ کہتا کہ میں دنیا سے منھ موڑا
الٰہی ان نے داڑھی کے سوا کس چیز کو چھوڑا

طپش کی اندنوں دل نے نئی صورت نکالی ہے
لپکتا ہے پڑا زانوں کو یوں پکتا ہے جوں پھوڑا

تجھ بن عجب معاش ہے سودا کی اندنوں　　تو بھی ٹک اس کو جا کے ستمگار دیکھنا
نے حرف و نے حکایت و نے شعر نے سخن　　نے سیر و باغ نے گل و گلزار دیکھنا
خاموش اپنے کلبۂ احزاں میں روز و شب　　تنہا پڑے ہوئے در و دیوار دیکھنا
یا جا کے اس گلی میں جہاں تھا ترا گذر　　لے صبح تا بشام کئی بار دیکھنا
تسکین دل نہ اسمیں بھی پاوے تو بہر شغل　　پڑھنا یہ شعر گر کبھو اشعار دیکھنا
کہتے تھے ہم نہ دیکھ سکیں تجھکو غیر پاس　　پر جو خدا دکھاوے سو ناچار دیکھنا

جو گذری مجھ پہ مت اس سے کہو ہوا سو ہوا　　بلاکشان محبت پہ جو ہوا سو ہوا
مبادا ہو کوئی ظالم ترا گریبان گیر　　مرے لہو کو تو دامن سے دھو ہوا سو ہوا

میں دشمن جاں ڈھونڈ کے اپنا جو نکالا　　سو حضرت دل سلمہ اللہ تعالیٰ

جب مست چمن سے ہو چلا گھر کو وہ لالا　　غنچے نے صراحی لی اوٹھا گل نے پیالا
کہتا ہے نگہ سے یہ ترا گوشۂ ابرو　　دیکھے جو کوئی خون گرفتہ تو گنگالا
فتنہ ہی اٹھاتے ہو گئی پشت فلک خم　　ہر گز کسی گرتے کو نہ ظالم نے سنبھالا
برہم کرے جمعیت کونین کو پل میں　　لٹکا وہ تیری زلف پریشان میں دیکھا

سودا جو تیرا حال ہے اتنا تو نہیں وہ — کیا جانئے تو نے اسے کس حال میں دیکھا

دیکھا ہے تجھکو در پہ ترے جنے ایکبار — پھر جب تلک جیا پس دیوار ہی رہا

ٹک جاگیے تو چھوڑ کے غافل پلنگ خواب — آخر تو پھر یہی ہے کہ چھاتی پہ سنگ خواب

بیداری سحر دوں کی خوشا حال زاہدا — اک ہم ہیں رو سیہ کہ خرابات و بنگ و خواب

آہ کس سرو میں قمری ہے قد یار کیطرح — نالہ کرتی ہے تو میرے دل افگار کیطرح

کل فرصت بہار تھی شبنم صفت میں زور — رویا ہر ایک گل کے گلے لگ چمن کے بیچ

یا تبسم یا نگہ یا وعدہ یا گالی ہے پیام — کچھ بھی اے خانہ خراب اس دل کے سمجھانے کیطرح

یہ زندگی میری وحشت کا ننگ ہے صیاد — قفس مجھے تیرے چنگل سے تنگ ہے صیاد

ہوا ہے حال میرا اسکو باعث تضحیک — کہ دیکھ کر مجھے کہتا ہے شوخ ہاں فریاد

خرمی پھرتی ہے یوں اس دل پر غم سے دور — جوں پھریں اہل طرب خانہ ماتم سے دور

عقل نے ایکدن آکر یہ کہا سودا سے — خواہ نزدیک ہمارے رہو خواہ ہم سے دور

لیکن اتنا ہے کہ وہ کام نہ کیجو پیارے — جس کا ثمرا رکھے تم کو دل عالم سے دور

ریوے تھا غیر کو زکوۃ حسن — میں کہا کیا ہے کہنے لاگا خیر

انکار قتل سے تو کرے ہے سجن ہنوز — میلا نہیں ہوا ہے ہمارا کفن ہنوز

سودا یہ کیا ہوا نہیں صحرا میں آج قیس — تھا ہی دلوں پہ داغ غم کوہ کن ہنوز

سودا کا حال تو نے نہ دیکھا کہ کیا ہوا — آئینہ لے کے آپ کو دیکھے ہے تو ہنوز

فقیر اشعار حضرت میرزا صاحب تا کجا انتخاب نماید کہ تمام دیوان منتخب است لہذا قلم درکشیدہ نور چراغ کعبہ و بتخانہ دود سوز دل پروانہ تختہ ساز زخم گل داد رس نالۂ بلبل حقایق و معارف آگاہ خواجہ میر متخلص بدرد سلمہ اللہ تعالی مردے است عزیز و عزیزے است سراپا

تیر کامل بجمیع کمال نمونہ قدرت ذو الجلال دلش گنجینۂ اسرار الٰہی و سینہ اش خزینۂ انوار نامتناہی است چنانچہ رسالہ در علم تصوف مسمی بواردات مشتمل بر سرمایہ چند تصنیف کرد کہ متعلق بدیدن است و دیگر ابیات و رباعیات بطور سحابی و خیام بسیار دارد بالجملہ رتبہ کمالش تا بحدے است کہ والد شریفش خواجہ محمد ناصر کہ یکے از اولیائے روزگار و مشائخ کبار است بہ نسبت مریدی و فرزندی وے افتخار ہا دارد ابیات دیوانش قریب ہفصد شعر از نظر گذشتہ ہمگی لب لباب و تمامی انتخاب است۔

جگ میں آکر اِدھر اُدھر دیکھا ۔ تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا
جان سے ہو گئے بدن خالی ۔ جس طرف تو نے آنکھ بھر دیکھا
نالۂ فریاد و آہ اور زاری ۔ آپ سے ہو سکا سو کر دیکھا
ان لبوں نے نہ کی مسیحائی ۔ ہم نے سو سو طرح سے مر دیکھا
زور عاشق مزاج ہے کوئی ۔ درد کو قصہ مختصر دیکھا

اکسیر پہ مہوس اتنا نہ ناز کرنا ۔ بہتر ہے کیمیا سے اپنا گداز کرنا
ہم جانتے نہیں ہیں اے درد کیا ہے کعبہ ۔ جدھر ملی وہ ابرو ہمکو نماز کرنا

عاشق بیدل ترا یہاں تک تو جی سے سیر تھا ۔ زندگی کا اسکو جو دم تھا دم شمشیر تھا
کی تو تھی تاثیر آہ آتشیں نے اُس کو بھی ۔ جب تلک پہنچی ہے پہنچی راکھ کا ہی ڈھیر تھا
شیخ کعبے ہو کے پہنچا ہم کنشت دل میں ہو ۔ درد منزل ایک تھی ٹک راہ کا ہی پھیر تھا

تو اپنے دل سے غیر کی الفت نہ کھو سکا ۔ میں چاہوں اور کو تو یہ مجھ سے نہ ہو سکا
گو نالہ نارسا ہو نہ ہو آہ میں اثر ۔ میں نے تو درگذر نہ کی جو مجھ سے ہو سکا

مژگان تر ہوں یا رگ تاک بریدہ ہوں ۔ جو کچھ کہ ہوں سو ہوں غرض آفت رسیدہ ہوں

ہستی ہے جب تلک ہیں اسی اضطراب میں
جوں موج آپ میں ہیں عجب پیچ و تاب میں

غافل جہاں کی دید کو مفت نظر سمجھ
پھر دیکھنا نہیں ہے اس عالم کو خواب میں

ہر جزو کل کے ساتھ ہے معنے ہے اتصال
دریا سے دور جدا ہے یہ ہے غرق آب میں

ہم تجھ سے کس ہوس کی فلک جستجو کریں
دل ہی نہیں رہا ہے جو کچھ آرزو کریں

کیا فرق داغ و گل میں اگر گل میں بو نہ ہو
کس کام کا وہ دل ہے کہ جس دل میں تو نہ ہو

جو کچھ کہ ہم نے کی ہے تمنا ملی اگر
یہ ایک آرزو ہے کہ کچھ آرزو نہ ہو

ویسا ہی اب تلک تو وہ دامن ہے اے صبا
کیدھر لئے پھرے ہے تو میرے غبار کو

جی کے جی ہی میں رہی بات نہ ہونے پائی
ایک بھی اس سے ملاقات نہ ہونے پائی

دیدوا دید تو ہوئی رو سے پری اسکی
پر جو میں چاہے تھا سو بات نہ ہونے پائی

فرصت زندگی بہت کم ہے
مغتنم ہے یہ دید جو دم ہے

خیر و شر کو سمجھ کے وہ ہے زہر
سانپ کی زیست ہی تجھے سم ہے

روندے ہے نقش پا کی طرح خلق یہاں مجھے
اے عمر رفتہ چھوڑ گئی تو کہاں مجھے

لا گلابی دے مجھے ساقی کے یہاں مجلس ہے
خالی ہو جائے ہے پیمانہ کے بھرتے بھرتے

نہ ملئے یار سے تو دل کو کب آرام ہوتا ہے
وگر ملئے تو مشکل ہے کہ وہ بدنام ہوتا ہے

یہ حسن و عشق مل سمجھے ہیں کہ آپس میں جو ہوگا
پران دونوں کے جھگڑے میں میرا کام ہوتا ہے

وائے نادانی کہ وقت مرگ یہ ثابت ہوا
خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

ہر چند فسق میں تو ہزاروں ہیں لذتیں
لیکن عجب مزہ ہے فقط دل کے چاہ کا

شمع انجمن عشق بازان فروغ محفل سخن پردازان جامع آیات سخندانی مجمع کمالات انسانی سپہر اطوار کرامت تحریر محمد تقی المتخلص بمیر اصل و منشاء وے دار الخلافت اکبرآباد است

و بخدمت خان آرزو کہ خالوے او بود لختے دانش اندوختہ اوائل حال پیش ظہیر الدولہ بہادر می گذرانید چوں بادشاہ آبی رسید رفیق راجہ ناگرمل گردید چنانچہ تا حال با عز و امتیاز در رفاقت اوست۔

اس کا رخ مخطط قرآن ہے ہمارا ۔ بوسا بھی لیں تو کیا ہے ایمان ہے ہمارا
ادریس و خضر و عیسیٰ قاتل سے ہم چھڑائے ۔ ان خوں گرفتگاں پر احسان ہے ہمارا
مستاں مجھ مست بن پھر خندۂ قلقل نہ ہووے گا ۔ مے گلگوں کا شیشہ ہچکیاں لے لیکے رووے گا
اتنا دن اور دل سے طپش کرے کاوشیں ۔ یہ مجملہ تمام ہی ہے آج شب تلک
نکلا ہے ایسی خاک سے کس سادہ رو کے ۔ قابل درود بھیجنے کے ہے صفائے گل
گل کی جفا بھی دیکھئے دیکھئے وفائے بلبل ۔ یکمشت پر پڑے ہیں گلشن میں جائے بلبل
کر سیر جذب الفت گلچیں نے کل چمن میں ۔ توڑا تھا شاخ گل کو نکلی صدائے بلبل
کیا میں نے رو رو فشار گریباں ۔ رگ ابر تھا تار تار گریباں
جنوں میری کی باتیں حسب چمن اور دشت میں چلیاں ۔ نہ چوب گل نے دم مارا نہ چھڑیاں بید کی ہلیاں
گریباں روز محشر کا اڑایا دھجیاں کر کر ۔ فغاں پر ناز کرتا ہوں کہ بل بے تیرے ہتھیلیاں
گرمی عشق مانع نشو و نما ہوئی ۔ میں وہ نہال تھا کہ اگا اور جل گیا
آنکھوں میں جی مرا ہے ادھر دیکھتا نہیں ۔ مرتا ہوں میں تو ہائے رے صرفہ نگاہ کا
کچھ میں نہیں اس دل کی پریشانی کا باعث ۔ برہم ہی مرے ہاتھ لگا تھا یہ رسالہ
لگی تسبیح اسکی نزع میں بھی میر سے ہرگز ۔ اسی کے نام کی سمرن تھی جب منکا ڈھلکتا تھا
کف جاناں سے ممکن نہیں رہائی میر کو ہووے ۔ اچنبھا ہے جو اسکے ہاتھ سے رنگ حنا چھوٹا
تو تھا مرد دل دشوار ہیں عاشق کی آہ ۔ حسرتیں کتنی گرہ تھیں یہ تک اک جا کیے پیچ

حال گلزار زمانے کا ہے مانند شفق　　رنگ کچھ اور ہوا جاتا ہے ایک آن کے بیچ

تو ہو میں شور بو رہے دامان و جیب تیر　　بھرا ہے آج دیدہ خونبار بے طرح

گر رحم ٹک کب تک جفا مجھ پر جفا کار اس قدر　　یک سینہ خنجر سینکڑوں یک جان و آزار اسقدر

صد آہ جی کے پار ہو ہے تیر سے شاید　　کسی بیدرد نے کھینچا کسی کے دل کے پیکان کو

خوش آوتی تجھ بن گل گشت باغ کس کو　　صحبت رکھے گلوں سے اتنا دماغ کسکو

مشہور چمن میں تیرے گل پیرہنی ہے　　قربان ترے ہر عضو پہ نازک بدنی ہے

سمجھے ہے نہ پروانہ نہ تھا نبے ہے زباں شمع　　وہ سوختنی ہے تو یہ گردن زدنی ہے

تیرے ابرو جدھر کو ہوں مائل　　ایک عالم اودھر نماز کرے

کیا خط لکھوں کہ رونے سے فرصت نہیں رہی　　لکھتا ہوں تو بھری ہے کتابت بہی بہا

تمام اوس کے قد میں سناں کی طرح ہے　　رنگیلے نپٹ اس جواں کی طرح ہے

خانقہ کا تو نکر قصد ٹک اے خانہ خراب　　رہ گئی ہے یہی ایک بستی مسلمانوں کی

طفلی سے ہوا پیر گیا عہد جوانی　　اے عمر گزشتہ میں تری قدر نہ جانی

مدت سے میں گلگشت پر آوارہ چمن میں　　نکلی ہے یہ کیسکی ہوس بال فشانی

کوکے خاں اصل نام وے مرزا اشرف علی است فغاں تخلص می کند در زمان سلطنت میرزا احمد منصب پنجہزاری مفتخر و مباہی گشت سلیقہ سخن سنجی درست دارد چنانچہ از سیاق و سباق کلامش پیدا است چوں دریں ایام در دارالامان ہندوستان گرد سیہ آفات و شاہراہ بیتاب است بپاس آبروے خویش سفر بنگالہ گزیدہ وہانجا رخت اقامت انداخت از وست

کوکہ خاں فغاں

مے واسطے ساقی نہ میں یہاں چشم تر آیا　　دل دیکھتے ہی ابر کو ناچار بھر آیا

نہ الفت نے محبت نے مروت — تیری خاطر کوئی بدنام کیا ہو

کہتے ہیں فصل گل تو چمن سے گذر گئی — اے عندلیب تو نہ قفس بیچ مر گئی

شکوا تو کیوں کرے ہے میرے اشک سرخ کا — تیری کب آستیں میرے لوہو سے بھر گئی

شانے کی کشمکش سے کہیں دل ہیں ٹوٹنے — یک عمر چاہیئے تیرے زلفوں سے چھوٹنے

کچھ مدارات بھی اے خون جگر پیکاں کی — تشنہ مرتا ہے کئی دن سے یہ مہمان تیرا

عاشق کے دل سے پوچھئے اس غم کو اے فغاں — الفت بڑی بلا ہے کسی کو خدا نہ دے

کٹتی تجھ یاد میں اس طرح راتیں ہجر کی گھڑیاں — لکیریں انگلیوں کی مٹ گئیں گنتے ہوئے گھڑیاں

مفت سودا ہے اے یار کہاں جاتا ہے — او میرے دل کے خریدار کہاں جاتا ہے

صبا ہر ایک گل سے پوچھیو گلشن میں تو جا کر — گریباں چاک رہتا ہے فغاں کا سبب کیا ہے

نہ اے قاصد میں دربار کو فریاد کرتا ہوں — ترا منھ دیکھ کر اپنے لکھے کو یاد کرتا ہوں

یاروں نے سن لیا ہے اسیر یکے نام کو — پہچانتے ہیں یہ نہ قفس کو نہ دام کو

رباعی

کرتے نے کی یاریاری یوں بھی گذری — رہنے کی آہ و زاری یوں بھی گذری

سنتا ہے میرے یار تو راضی رہنا — یوں بھی گذری ہماری یوں بھی گذری

واجب التعظیم والتکریم میر محمد حسین کلیم متوطن دہلی است مراتب دانش کسب کرده وسرمایۂ سخن سرے بدست آورده در علم عروض و قوافی رساله ها دارد بیش ازین بعبارت خصوص بزبان ریخته نظم می کرد بسبب بعضے عوارض دست ازاں باز داشت حاصل کلام چنیں شاعر زبردستے است کہ او را پہلوان میدان سخن میتواں گفت قریب بیست ہزار بیت طور قصیده وغزل بوضع اشعار میرزا بیدل در چند نامہ

بود زبانش ترتیب یافتہ از انجملہ انچہ بدست فقیر آمد انیست۔

تجھے برق خار سے کام کیا جو تو چاہے حق کو تلف نہ کر
یہ ازل کے دن سے نصیب ہے کف پائے آبلہ دار کا

رکھے ہے انتظار دیدہ یعقوب پر موسی
ہر ایک اعضا میرا کوہ خمیر ماہ کنعاں تھا

آتی ہے دل پہ قلقل مینا سے اب شکست
وہ دن گئے کلیم کے کہ یہ شیشہ سنگ تھا

دراز ہے شب ہجراں زلف یار کلیم
تو مجھ سے پوچھ کہ کاٹی ہے رات آنکھوں میں

ہو چکے حشر گئی دوزخ و جنت کو خلق
رہ گیا میں ترے کوچے میں گرفتار ہنوز

قربان اس اکڑ کے عجب یہ مروڑ ہے
آشفتہ ہو گئیں یہ نہ زلفوں سے بل گیا

نشاں مجھ دل کا مت پوچھو یہ مجنوں
کہیں اس طرف ویرانے میں ہوگا

نقاب اپنے منہ سے جو تو یار کرتا
تو گل اپنی خوبی پہ کب ناز کرتا

وفا کا ہوں پابستہ نہیں تو زہجرا
چلا جاتا جنگل کو پرواز کرتا

عمر رفتہ کا نپایا کھوج ہرگز اے کلیم
آپ کو جوں شمع میں ہر انجمن میں گم کیا

پاس ناموس محبت ہے مجھے ازبس کلیم
باغ میں جاؤں نہ ہرگز بے رضائے عندلیب

پوچھ مت غم کی داستاں اے دل
کہ پڑا ٹوٹ آسماں اے دل

ہم سے پوچھو ہو پیوتے ہو شراب
ایسے کیا شیخ و پارسا ہیں ہم

دور حسن ممکن نہیں کسی کی داد کو پہنچے
غرض تم سن چکے احوال ہم فریاد کو پہنچے

میرا آتش کدہ دل کا کہیں ٹھنڈا نہیں ہوتا
بجھاتے نہیں ہیں جیسے مذہب زرتشت میں آتش

چھوٹا مجھ کو اے بیدرد سخت ہاتھوں سے
دل گداختہ ہوں آہ درد کرتا ہوں

ہم دم شہود گی ہے مجھے کام دیا رہے
ہر دم مرے حساب میں روز شمار ہے

اکرم اللہ خاں ورد نبیرہ نواب اصالت خاں مرحوم پارہ از علوم رسمیہ اندوخت
بتقاضائے سخن مشغول شد ثمر استعدادش ہیچان نارسیدہ برخاک افتاد۔

اگر وہ بت کسی صورت سے میرا رام ہو جائے
تو پھر جوں اس عقیدت سے کہ کفر اسلام ہو جائے

نری تیر نگہ ہونے رکھا ہے نیم بسمل کر
اگر بھر کر نظر دیکھے تو میرا کام ہو جائے

ہر اک دم سانس ہو کر ہماری جی دیں کھٹکتی ہے
خلش جی کا اگر نکلی تو کیا آرام ہو جائے

ادب ضرور ہے اس خاک آستانے کا
تڑپیے تو اس طرح بسمل کہ بال و پر نہ گرے

تحمل آتش غم میں دل بیتاب کیا جانے
ٹھہرنا ایک دم بھی آگ پر سیماب کیا جانے

کنارے سے کنارہ کب ملا ہے بحر کا یارو
پلک لگنے کی لذت دیدۂ پرآب کیا جانے

سامنے ہوتے ہی پھر نقش نہ پائے دل کے
بٹ گیا نوک سناں بر صف مژگاں کے بیچ

ظالم کروں میں ظلم سے فریاد کب تلک
تک رحم بھی ضرور ہے بیداد کب تلک

نیمچہ — میر فرخ علی از سادات قصبہ آنولہ است و سپاہ پیشگی میگذارند ذہن سلیم و
طبع مستقیم دارد اکثر شعر فارسی بر طرازد گاہ گاہ بطور ریختہ نیز فکر میکند خوش خوئے
و آشنا روئے در نہاد اوست۔

اس قدر مجھ سے ہو کیوں اے مہر شاں نا آشنا
میں بھی تو شاید کسی دن تھا تمہارا آشنا

گو ہوا تیرے تئیں مجھ خسرو کی دولت جاہ و مال
پر کہیں ہوتا ہے پیدا کوہ کن سا آشنا

جتنے سے نور گیا تن سے تواں دل سے صبر
عشق میں تیرے ہو مجھ سے جدا کیا کیا کچھ

ہدایت — میاں ہدایت اللہ ہدایت تخلص میکند زادگاہ او دہلی است مرید و شاگرد
حضرت خواجہ میر صاحب است بسیار با استغنا میگذارند و آبرو بر در ہا نمی ریزد یا کلمہ
چوں سازقوم افاغنہ با این جمعیت اخلاق و احوال برنخاستہ لالہ ستدہ راشے

پیکار رخانعہ بادشاہے است چیزے تواضعش میکند و منت قبول آں بر سر و دوش خود میگیرد چوں ہمسایہ فقیر سکونت دارد ازوست

بھلا بتا تو میری جاں کچھ ہدایت نے | تمہارے جور سے شکوہ کبھو کیا ہوگا
مگر یہی نہ کہ بے اختیار ہوکے کبھو | کچھ اور بس نہ چلا ہوگا رو دیا ہوگا
تیرے زلفوں کی کچھ چلی تھی بات | روتے ہی روتے گذری ساری رات
یاد کرتے ہی زلف کی ہے قہر | پھر گئی دل پہ سانپ کی سی لہر
کیا کہوں تجھ بن مجھے ہر دم دم شمشیر ہے | سانس جب لیتی ہے گویا بازکشتی تیر ہے
دولت بے سعی کی ہرگز نہیں ہوتی ہے قدر | ورنہ مشت خاک اپنی کیا کم از اکسیر ہے
مجھ دل سے تیر عشق ترا پار ہو چکا | ہونا جو کچھ تھا سو تو میرے یار ہو چکا
نت ادھ کے مرنے سے تو ہدایت بچا ہوں میں | مرنا بھی گر ہوا کہیں یک بار ہو چکا
ہم دوانے وہ نہیں ہیں جنہیں زنجیر کریں | آگے خاطر میں جو یاروں کے ہو تدبیر کریں
کیا کہوں میں کہ تیرے ہجر میں کیونکر گذری | وہی جانے ہے میری جان کہ جس پر گذری
دید عالم کا کوئی دم کیجے | کس کی شادی و کس کا غم کیجے
دیدہ و دل میں گھر تمہارا ہے | آئیے بیٹھئے کرم کیجے
اے کہ ماتم میں عزیزاں کی ہے تو خاک بسر | بیخبر کچھ تجھے اپنی بھی خبر ہے کہ نہیں

قلندر

بدہ سنگہ قلندر تخلص ہندو پسرے است عیاش از نعمت دنیا خطے وافر داشتند اورا شوریدگی دماغ دریافت از خویش و قوم خود گسیختہ بقلندرے برآمد

مجکو کیا اے جنوں نے آکر دی | ساری عقل و خرد ہوا کر دی
تجھسے مل کر ہوا میرا دشمن | تو نے اس دل کو کیا بلا کر دی

بیاں

اے قلندر جہان معنی میں — داد تو نے سخن کی آ کر دی
پارس اور ہند کر دکھایا ایک — اینچہ اعجاز بر ملا کر دی

خواجہ احسن اللہ المتخلص بہ بیان ہنگامہ آرای صحبت اشعار است در فن ندیمی دستگاہ یہ دارد پیش ازیں کہ کے خاں فغاں در دہلی بود بنا بر علاقہ محبت باد میگذرانید دریں ایام بیکار است او تعالی درخور مراد جمعیت ظاہری و باطنی کرامتش کناد

وہ بھی کیا دن تھے کہ ہم آغوش مجھ سے یار تھا — در کے باہر مدعی جوں صورت دیوار تھا
جفا ایک لحہ جو کرتا نہیں ہے وہ تو مرتا ہوں — ستم ہوتا اگر الطاف سے اسکی جو میں کرتا
مصلحت ترک عشق ہے ناصح — لیک یہ ہم سے ہو نہیں سکتا
یہ لوگ منع جو کرتے ہیں عشق سے مجھ کو — انہوں نے یار کو دیکھا ہے یا نہیں دیکھا
کیا چلے تھے راز دل کہنے کو لوگوں میں بیاں — آپ بھی مطعون ہوا وراس کو بھی رسوا کیا
بیاں تیرے کوچے سے چلتا رہیگا — میری جان تو ہاتھ ملتا رہیگا
ہو چرخ تو بھی اس ستم ایجاد کی طرف — کافی ہے یاس اسد ناشاد کی طرف
کروں شکوہ درد و غم کب تلک — بہرحال جیتا تو ہوں اب تلک
کچھ بے ادبی کی ہے بیاں تو نے بھی اس سے — ناحق کوئی دیتا نہیں دشنام کسی کو
حسرت پہ اس غریب کی آوے اجل کو رحم — بالیں پہ جس کے یار دم واپسیں نہ ہو
جادو تھی سحر تھی بلا تھی — پیارے وہ تری نگاہ کیا تھی
کدھر ہے کہاں ہے خوشدلی تو — ہم سے بھی کبھو تو آشنا تھی
مارا ہے بیاں کو یار جس نے — کیا جانئے کونسی ادا تھی
مت آئیو اے وعدہ فراموش تو اب بھی — جس طرح کٹا روز گذر جائے گی شب بھی

کس واسطے شتابی جانے کی اس قدر ہے ۔ گو صبح ہو پیارے یہ بھی تو اپنا گھر ہے

کون کہتا ہے باوفا تجھ کو ۔ کذب ہے افترا ہے تہمت ہے

یہاں کون ہے اب تلک پوچھتے ہو ۔ تجاہل کے قرباں تغافل کے صدقے

اجی دیکھو دامن ہے اس کے بھی ہاتھوں ۔ یہ مجھ ناتواں کا گریباں نہ ہووے

لب تک تو شکایت سے آئی ۔ پھر آگے حجاب سے نہ نکلی

آئی نہ جگر سے آہ باہر ۔ یہ سیخ کباب سے نہ نکلی

جس وقت کہ بیدار وہ ہوتا ہیگا ۔ عالم کے غضب سے جان کھوتا ہیگا

غنچوں کو صبا کہو کہ آہستہ کھلیں ۔ زانوں پہ مرے وہ شوخ سوتا ہیگا

میر سوز

سیادت پناہ محمد میر مطلب خوشنویس بے نظیرے است خط شکستہ و شفیعائے خوب می نویسد نخستے از موسیقی آگاہ در مبادی حال میر تخلص می نمود چوں اورا با میر تقی معارضہ افتاد ازاں باز سوز تخلص کرد با فقیر قدم آشنائے دارد و از نجا کہ داخل توپخانہ بادشاہے است بسبب ہم فرنگی اکثر بدربار معلی ملاقات میشود

شہر حسن سے از بسکہ وہ محجوب ہوا ۔ اپنے مکھڑے سے جھگڑتا ہے کہ کیوں خوب ہوا

تجھ ستی سن اے ظالم کوئی بھی ہے گردیدہ ۔ دیدہ ہیں سو گریاں ہیں دل ہے سو ستم دیدہ

اے آہ ابھی رہ جا دل چین سے سوتا ہے ۔ مشکل ہے اگر چونکے یہ فتنۂ خوابیدہ

آنکھیں جو نہ لگ جاتیں تو زار نہ ہوتا میں ۔ پرہیز اگر کرتا بیمار نہ ہوتا میں

نہیں دیتا ہے مجھ کو چین یہ دل بیقراری سے ۔ تنک جھپکے تو دکھلا دے کہ میں بیہوش ہوتا ہوں

چین آتا نہیں مجھے یارب ۔ دل پہ اضطراب ہوا کس کا

میر حسن علی شوق سپاہی پیشہ است ہمیشہ بروزگار عمدہ گذرانیدہ اکثر شعر فارسی

ندرپیش دارد و خود را از شاگردان خاص آرزو می گیرد۔

پڑھ کے مجھ خط کو یہ جواب دیا نامۂ شوق کا جواب نہیں

محمد فقیہہ درد مند تخلص می کند در عنوانِ شباب حسنی دلفریب داشت شاہ ولی اللہ اشتیاق کہ در طبقۂ ثانیہ گزشت بشاہد جمالش عمراز سرنو می گرفت چوں گل زیبا از رنگ و بوئے وفا اثرے ندارد بانداک تغیر گسیختہ بمرزا جان جاں مظہر پیوست مدتے بخدمتِ ایشاں استفاضہ آگاہی کرد بقافیہ سخن سنجی برآمد چنانچہ مثنوی ساقی نامہ مع دیگر ابیات بر صفحہ روزگار از وے یادگار است۔

قفس تک بھی پہنچی اور پڑی رو آشیانے ہے عجب ساعت سے بچھڑے تھے چمن کے آشیانے ہے

الٰہی مت کسی کو پیش رنج و انتظار آوے ہمارا دیکھیے کیا حال ہو جب تک بہار آوے

یقین

صدر نشین بزم شعرائے متاخرین انعام اللہ خاں تخلص یقین شاعر صاحب طرز یگانہ عصر و وحید دہر است باخلاق حمیدہ اتصاف دارد دو مصرع از زبان ہائے خامۂ سحر طرازش با ایں ہمہ لطف و خوبی می تراود کہ بمجرد استماع دل عشاق قطرات خوں شدہ از دیدہ فرو میچکد بزرگانش در بلدہ سہرند اقامت داشتند و اکثرے از شرفا و روسائے آں ضلع بخدمت ایشاں استفاضہ معنی می کردند چوں والد شریفش بدار الخلافت رسید حمید الدین خاں کہ ملقب بہ نیمچہ بود صبیہ خود را بہ آں بزرگوار نامزد کردو ایں معنی را موجب افتخار خویش دانستہ بالفعل خان موصوف بمنصب ہزار و پانصدی سرفرازی دارد و پیش ہم چشماں خود معزز و موقر است حق تعالیٰ سلامتش دارد۔

ہے تیرے داغ سے ترسینۂ سوزاں میرا آب رنگ آگ سے دکھلا ہے گلستاں میرا

غم کے ہاتھوں نہ رہا کچھ بھی رفو کے قابل بسکہ سو بار ہوا چاک گریباں میرا

موج دریا کی طرح ضبط میں آ سکتا نہیں | کیونکہ رکھے کوئی احوال پریشاں میرا
ہو اگر دیجئے اس کو بھی کبھو عیب نہیں | آئینہ سے بھی گیا کیا دل حیراں میرا
میں تو ظاہر نہ کروں اس کی جفا کو لیکن | چھپ سکے کیونکہ یقیں زخم نمایاں میرا
کیا بدن ہوگا کہ جس کے کھولتے جامہ کا بند | برگ گل کی طرح ہر ناخن معطر ہوگیا
رہا میں بیخبر افسوس لذت سے اسیری کے | اگر یہ جانتا تا کنج قفس میں آشیاں کرتا
اگر مرکر نہ میں اس شوخ کی خاطر نشاں کرتا | خدا جانے وفا میرے کے حق میں کیا گماں کرتا
کہتے ہیں کہ تسخیر پری آئینہ کو آتی ہے | دل سے نہ ہوا جو کام آئینہ سے کیا ہوگا
ہا چارے دل اپنا گیا خاک میں یقیں | اس جنس کا جہاں میں کوئی قدرداں نہ تھا
جو کچھ کہیں یہ تجکو یقیں ہے سزا تری | بندہ جو تو بتوں کا ہوا کیا خدا نہ تھا
کیا کروں مژگان تر کے ابر نے ڈالا ہے شور | آج بادل بیطرح امڈے ہیں یہ برسینگے زور
تھا ل گورے منہ کا لیتا ہے مرے دل کو چرا | اس نگر میں چاندنی راتوں کو بھی پڑتے ہیں چھاپا
دل نہیں کھینچتا ہے بن مجنوں بیاباں کی طرف | خوش نہیں لگتا نظر کرنا بیاباں کی طرف
اس ہوا میں رحم کر ساقی تو دے جام شراب | دیکھ کر چھاتی بھری آتی ہے بادل کی طرف
ہمارے درد کی دارو اگر کچھ ہے تو دارو ہے | یہ سب کچھ سنکے ساقی بات پی جانیکا کیا حاصل
جب دیکھتا ہوں تنہا تجھ کو سجن چمن میں | کس کس طرح کی باتیں آتی ہیں میرے من میں
مجنوں کی خوش نصیبی کرتی ہے داغ مجھ کو | کیا عیش کر گیا ہے ظالم دوانہ پن میں
یقیں سے جلتے جلنے کی خبر کیا پوچھ کر لوگے | بڑا ہوگا دوانہ باؤلا سا گنج گلشن میں
کرے ہے کوئی یارو اس وقت میں تدبیر یا | مرتا ہے یہ دیوانا کھول دو زنجیر پا
وفا ختم ابرو خوباں سے ہوئے تو شمار ہے | کسی کے کام کی جس سے کوئی گرہ وا ہو

کلی بھی پی گئیں ہیں ماریں بھی کھائیاں ہیں / کیا کیا تری جفائیں ہم نے اٹھائیاں ہیں

کوئی یہ چاند سامنہ چھوڑ کر عاشق ہو شعلہ کا / گذر آتش پرستی سے یہ پروانہ سے کہدیجو

اسیران قفس کی ناامیدی پر نظر کیجو / بہار آوے تو اے صیاد ہمکو خبر کیجو

سمجھا پنا نہ دیکھا کر ہو جاوے گا دوانا / آینے کو کہتے ہیں اے شوخ پری خانہ

اگرچہ عشق میں آفت ہے اور بلا بھی ہے / نرا برا نہیں یہ شغل کچھ بھلا بھی ہے

یہ کون ڈھب ہے سجن خاک میں ملانے کا / کسی کا دل کبھی پاؤں تلے ملا بھی ہے

شب ہجراں کی وحشت کو تو اے بیداد کیا جانے / جو دن پڑتے ہیں یہاں راتوں کو سو تیری بلا جانے

وصل کی گرمی سے مجکو ضعف آتا ہے یقیں / دیکھیے مجھ ساتھ خوباں کی جدائی کیا کرے

اس نسیم پوش سے آغوش رنگیں کیجیے / جی میں ہے اس مصرع موزونکو تضمین کیجیے

چھٹے ہم زندگی کی قید سے اور داد کو پہنچے / وصیت ہے ہمارا خوں بہا جلاد کو پہنچے

نہ نکلا کام کچھ اس صبر سے اب نالہ کرتا ہوں / مری فریاد ہی شاید مری فریاد کو پہنچے

ہمیں ہجر چمن ہے موت پر صیاد کیا جانے / جو گذرے سر پہ مقتولوں کے سو جلاد کیا جانے

دوانا ہوں میں جی دینے پہ مجنوں کے سلیقے کا / مزہ لے کے مرنے کیطرح فرہاد کیا جانے

مجھے یہ بات سوجھی یاد ایک مجنوں عریاں سے / کیا کیجے کہاں تک چاک ہم گذرے گریباں سے

نسیم سے برباد خار آشیاں کو عندلیباں کے / صبا یہ بھی ہوا خواہ نہیں ہے آخر گلستاں کے

ٹک ایک انصاف گر کرتا ہے اتنی بھی جفا کوئی / کرے گا بعد میرے کس توقع پر وفا کوئی

اب تو کیجیے نگہ لطف کہ ہو توشہ راہ / کہ کوئی دم کو یہ بیمار سفر کرتا ہے

افتادہ مزاج و خدمت گزین میر باقر المتخلص بحزین از سادات اکبرآباد است بمشہ آخرین بعلاقہ روزگار در دہلی بود الحال کہ کساد بازاری مردم کار است بنگالہ رفت

وہ کہ ہے ملک سلم جسے یکتائی ہے — خوب لیتا ہے مزہ عالم تنہائی کا
میں تو بندہ ہوں ترے جور و جفا کا لیکن — سخت دھڑکا ہے مجھے اس دل سودائی کا

فراق

مرزا مرتضیٰ قلی فراق از ملازمان توپخانہ بادشاہی است اکثر شعر فارسی بطرازو دو در سخن سرائے سلیقہ درست دارد ہر چند آں طوطی شکر شکن متولد ہندوستان است لیکن نظم کلامش با نا فصحاے ایران۔

تماشا اس چمن کا کس کے دل کو شاد کرتا ہے — کہ یہاں تک لب تبسم غنچے کو برباد کرتا ہے
اسیروں کی قسم ہے آ صبا سچ کہہ کہ گلشن میں — کوئی اُن ہم نوایان قفس کو بھی یاد کرتا ہے

خاکسار

میر محمد یار متخلص خاکسار مردے است جنتی [illegible] آں حضرت قدم شریف در حقیقت متمکن و باعتقاد خود ظریف ہر چند حسن با آشنا و غیر آشنا بر سر رشتہ مزاح می آرد لیکن ہیچکس تاب شنیدن جواب ندارد و بنا بریں از تمام عالم شاکی است چنانچہ حضرتم مرزا رفیع صاحب نقل می کردند کہ روزے بندہ و ایں عزیز بخانہ مرتضیٰ قلی وارد بودیم ایں بابابے موقع وقت اختلاط تقریب شکوہ میر تقی بیان آورد بحضار تکلیف ہجو میر مسطور کرد ہر گاہ ایں معنی را ہیچکس قبول ننمود مگر پاس خاطر ہماں لحظہ ایں مطلع را موزوں کردہ حوالہ اش نمودم۔

میر کا گھر ہے بنے تہا گل زنبق سا ہے — پیٹ بھی اس کا جو میں دیکھا سو کچھ پھٹنق سا ہے

بمجرد شنیدن قریب بود کہ حاضران مجلس از فرط خندہ ہلاک شوند و ایشاں ہمیشہ بدستور چوں ساکتے بریں منوال گزشت دید کہ یاران دست از خندہ بر نمیدارند نگاہے بر شکم خود کرد و فقتا برخاست و بید و پوچ و حشو کہ در دنیا بود تحویل سامعہ میرزا و یاراں اش نمود ہر چند مردم رو بسماجت آوردند ہیچ فائدہ نکرد از آنروز ترک ملاقات است

دل آشفتہ ہو کے کیا لیا میں — اے خانہ خراب کیا کیا میں

تیرے زلف سیہ سے اے پیارے — مجھ کو مکیر ہزار سودا ہے

خاکسار اس کے تو آنکھوں کے گہے مت تکیو — مجھ کو ان خانہ خرابوں ہی نے بیمار کیا

تیغ قاتل سے ہوے محروم بے تقصیر ہم — روز محشر کو اٹھیں گے گور سے دلگیر ہم

کیا ہے اس خاکسار کی تقصیر — یہ مگر تم کو پیار کرتا ہے

کیا ہے اے شمع تجھے حاصل میرے بجھانے میں — آہ جوں شمع ہے راحت مجھے مر جانے میں

خاکسا عاشق میخوار کو تقوی سے کیا — ابھی دیکھا تھا میں اس زہد کو میخانے میں

قیامت بھی ہو گی تو میری بلا سے — مجھے دادخواہی کی طاقت کہاں ہے

رونے سے خاکسار کے سوتا نہیں کوئی — اس خانماں خراب کو چپنگا خدا کرے

عشوہ و ناز کو تیرے پیارے — یہ تیرا خاکسار جانے ہے

شانہ آہستہ کیجیو حجام — تار اس زلف کا رگ جاں ہے

تمکین

صلاح الدین تمکین شاعر خوبے است دخل را از خرج فشانسد ہموارہ بار تکاب شراب مشغول است تا ست طامح نشود دست برندارد از وست

حسن اور عشق کو جس روز کہ ایجاد کیا — مجھکو دیوانہ کیا تجھ کو پری زاد کیا

خانہ برانداز محبت خراماں میر عبد الحی المتخلص بتاباں جوانے بود در نہایت حسن و جمال ہمصحبت یاماں حال با وجود لیلی انشی مجنوں را داب محبت آموختی و باکمال انجمن آرائی شمع وار داغ برجگر سوختی اخلاق حمیدہ و اوصاف پسندیدہ داشت آخر حال برفاقت نواب عنایت اللہ خاں بتنعم می گذرانید چوں در خوردن شراب کثر تقاکرد رطوبت فضلی بہم رسانیدہ مستسقی گردید و بہمیں احوال از جہاں رفت۔

کیا کہوں میں ماجرا اپنے دل بیتاب کا
آب جبکو دیکھ کر زہرا ہوا سیماب کا

اے طبیبو سوائے وصل کبھو
کچھ بھی درماں ہی عشق کے تپ کا

بیتابیوں کا عشق کے کرتے ہو کیوں گلا
تاباںؔ اگر یہ دل ہے تو آرام ہو چکا

ساتھ تو سوتا ہے ظالم پر گلے لگتا نہیں
منتیں کرتے ہی کرتے آہ ہو جاتی ہے صبح

نے میری خبر چشم میرے یار کی کیونکر
بیمار عیادت کرے بیمار کی کیونکر

دن تو تجھے جاتا ہے تڑپتے مرے تاباں
سچ کہہ کہ حقیقت ہے شب تار کی کیونکر

سن فصل گل خوشی ہو گلشن میں آئیاں ہیں
کیا بلبلوں نے دیکھو دھومیں مچائیاں ہیں

غم وصل میں ہے ہجر کا ہجراں میں وصل کا
ہرگز کسی طرح مجھے آرام ہی نہیں

تیرے جواب نامہ یہاں لکھ چکے پر اب تک
قاصد پھرا نہ وہاں سے لیکر جواب نامہ

تو بھلی بات سے بھی میری خفا ہوتا ہے
آہ کیا چاہنا ایسا ہی برا ہوتا ہے

تیری ابروسے مرا دل نہ چھٹے گا ہرگز
گوشت ناخن سے بھلا کوئی جدا ہوتا ہے

آج تھمتے نہیں میرے آنسو
تیرے کوچے کی راہ پائی ہے

بیاں کیا کروں ناتوانی میں اپنے
مجھے بات کہنے کی طاقت کہاں ہے

یوں تری زلف میں دیکھے ہیں گرفتار کئی
ایک زنجیر میں جیسے ہوں گنہگار کئی

مرگ کے سے تو نہیں میرے کچھ آثار ہنوز
رحم کر رحم کہ جیتا ہے یہ بیمار ہنوز

چشم و بینش و دانش مردمک دیدۂ آفرینش افسر فرق بختیاری نقش و نگین پائداری اشرف اہل زماں وزیر الممالک غازی الدین خان بوالاقطرتے و شگفتہ روئے معروف است احوالش از کثرت اشتہار محتاج بتکرار نیست لطف آب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبا را در ایامے کہ فقیر ایں غزل طرح کردہ بود

غازی الدین خاں

که مطلعش اینست۔

کوئی دن آگے بھی زاہد عجب زمانا تھا	ہر ایک محلہ کی مسجد شراب خانہ تھا

در ہماں ردیف وقوافی بتغیر بحر چند شعر بداہتہً موزوں کرد کہ مثل آں بسیار بتلاش میتواں گفت وہمبریں نسق گاہ گاہ علی سبیل تقریب یک دو مصرع ریختہ وفارسی فکر می کند چنانچہ ایں مطلع از ہماں غزل است

کھولنا زلف ایک بہانہ تھا	مدعا ہم سے منہ چھپانا تھا

خاں رفیع الشان مہرباں خاں بہادر جوان خوش ظاہر و باطن پسر خواندہ نواب امیر الامرا غالب جنگ محمد احمد خاں بہادر است ذہن سلیم وطبع مستقیم دارد اکثر بمقتضائے موزونی طبیعت باشعر وسخن واہل آن الفت تمام دارد چنانچہ میر سوز و غیرہ دو سہ شاعر ریختہ از قدیم بخدمت او می بودند دریں اثنا یگانہ جہاں اشرف زبان حضرت مرزا محمد رفیع سودا سلمہ اللہ تعالی برفاقت وزیر الممالک نواب غازی الدین خاں بہادر در بلدہ فرخ آباد رسیدند خان موصوف از نواب وزیر درخواستہ مرزائے موصوف را برفاقت خود گرفت از انجا کہ تربیت اہل کمال را اثرے تمام است سخنش ایں ہمہ ترقیات نمایاں کرد کہ بالفعل شاعر زبردست را از عہدہ آں برآمدن دشوار است چنانچہ در ردیف و قوافی مشکل زمین غزل تازہ می پیماید و داد سخنوری میدہد حق تعالی بسلامتش دارد	از وست

کسے نے روم کے قسمت میں کوئی شام کے آیا	ہمیں کے کچھ نہ آیا ایک تیرا نام لے آیا

حافظ حدود سخن لالہ بندرابن ساکن بلدہ متھرا یاران مرزا صاحب است بہ نسبت متھرا بنگی راقم تخلص می کند قوت حافظہ بکمال دارد چنانچہ قصیدہ صد بیت بیک

شنیدن یاد گرفتہ بہ تکرار آن ستامل نشود بالجملہ مذاق سخن درست وار دخصوصًا غزل
رابرنگے نمس کند کہ زیادہ از پنجۂ حنائے گل خان ناخن بدل زند

نہ ترے عشق میں بلبل ہی کو نالاں دیکھا | چاک ہر گل کا گلستاں میں گریباں دیکھا
پریشاں ہی نظر آتا ہے دل ذرات عالم کا | صبا کیا کھل گیا ہے پیچ اس کی زلف پرخم کا
جو کہ مائل ہے تیغ ابرو کا | تشنہ لب ہے وہ اپنے لہو کا
تیری اعضا میں تجھ کمر سے میاں | فرق ہرگز نہیں سر مو کا
راقم ہوتا نہیں وہ ہم آغوش | کیونکے ہو دور درد پہلو کا
حاضر ہے ترے سامنے راقم کرا سکو قتل | مجرم یہ سب طرح سے ہے پر یک لحظہ کا
ترے پیچھے میرا دل اشک کی طرح | گیا ایسا کہ پھر ڈھونڈا نہ پایا
ہے زلف میں تیری جائے عاشق | زنجیر ہے اور پائے عاشق
اے عشق تو اس طرح مجھے مار | تا یار کہے کہ ہائے عاشق
دیکھا نہ جسے میں کوئی سرزمیں نہیں | پر تخم دل ہو سبز جہاں سو کہیں نہیں
سنتے تھے ہم جہاں میں ہے اہل کرم کے ہاتھ | آیا جو دید میں تو کم از آستیں نہیں
ترے مے پینے سے بنا ہے کریں تو پیگسار ا | نہ ہے وہ عمل کہ ہووے سبب نجات یاراں
کیا ہنسے ہے تو مرے سینہ صد چاک کو گل | سر فرو لاکے تنک اپنے گریباں کو دیکھ
معصیت میری بہت ہے کہ تیری بخشش بیش | اپنی رحمت پہ نظر کر مرے عصیاں کو نہ دیکھ
ابر تر سے چشم گریاں کم نہیں | موج دریا ہے شکنج آستیں
زلزلے کو ایک دم فرصت نہ دے | ہوئے دل میرا اگر زیر زمیں
یہاں تک قبول خاطر کیجے تری جفا کو | تا سب کہیں کہ راقم رحمت تری وفا کو

مژگاں ہے دل بچے تو ابرو کرے پھر ٹکڑے ۔ یہ بات کہہ کے میں نے جب دل کی داد چاہی
کہنے لگا کہ ترکش جس وقت ہوئے خالی ۔ تلوار پھر نہ کھینچے تو کیا کرے سپاہی
دیکھا میں رات جا کر احوال چشم راقم ۔ برسات کی اندھیری پتلی کی تھی سیاہی
کس کے گلو کا قطرۂ خوں ہے تہ زمیں ۔ جوں تکمہ اوگتے ہیں گل اور نگ اتبلک
بیچوں ہوں میں اس پاس یہ دل نیم نگہ کو ۔ اس پر بھی ستم ہے جو خریدار نہ ہووے
کہنے کو ہے یہ بات کہ مقدور ہی نہیں ۔ کام عاشقوں کا کچھ تجھے منظور ہی نہیں
کہتا ہے کون یہ کہ خوشی ہے جہاں کے بیچ ۔ اس بات کا تو یہاں کہیں مذکور ہی نہیں

مخمس من تصنیف راقم کہ غزل مرزا صاحب را تضمین کرد

مخمس

نشو و نمائے باغ جہاں سے رمیدہ ہوں ۔ شادابی ریاض سے دور آفریدہ ہوں
فکر غم خزاں سے بہت آرمیدہ ہوں ۔ نے بلبل چمن نہ گل نو دمیدہ ہوں
میں موسم بہار میں شاخ بریدہ ہوں

یارب میری کٹے ہے عجب طرح صبح شام ۔ حیرت ہی میں گذرتی ہے میرے مدام
مطلب غم سے مجکو نہ کچھ خرمی سے کام ۔ گریاں بشکل شیشہ و خنداں بطرز جام
اس میکدے کے بیچ عبث آفریدہ ہوں

مجھ سے تو بیدماغ عبث آسمان ہے تیں ۔ گو سو طرح کی حسرتیں اس دل کے بیچ ہیں
اظہار اوسکا مجھسے ہو کیا سعی اس کے ایں ۔ تو آپ سے زباں زد عالم ہے ورنہ میں
یک حرف آرزو سو لب نارسیدہ ہوں

سنتا نہیں ہے درد رعیت کا بادشاہ ۔ قاضی سو حسن دوست بتاں کو ہے اس پر رشاہ

اور کوتوال شہر کی رشوت پہ ہے نگاہ  کوئی جو پوچھتا ہو یہ کس پر ہے داد خواہ

جوں گل ہزار جا سے گریباں دریدہ ہوں

آیا نہ تجھ کو رحم میرے حال پر کبھو  پوچھا نہ تونے آکے میری چشم سے لہو

دیویگا کیا جواب خدا کے تو روبرو  کرتا ہے جاکے گل کی تسلی چمن میں تو

خون جگر میں میں بھی تو دامن کشیدہ ہوں

بسمل صفت نہیں ہے مجھے آرام ایک تل  ہے مرگ میرے دم سے بہت ہی متصل

ملنا اگر ہے مجھ سے تو ظالم شتاب مل  غافل ہے کیوں ترا میری فرصت پہ ہے گوش دل

اے بے خبر میں نالۂ حلق بریدہ ہوں

پوچھے ہے تو کبھو کہ ترا رنگ کیوں ہے زرد  کہتا ہے گاہ یوں تو مجھے بھر کے آہ سرد

تو کون ہے جو ملتا ہے پھر سے اپنی گرد  میں کیا کہوں کہ کون ہوں سودا بقول درد

جو کچھ کہ ہوں سو ہوں غرض آفت رسیدہ ہوں

مخلص

میرزا محمد حسین متخلص بمخلص متوطن شاہجہان آباد نبیرہ وزیر خاں مرحوم است کہ در عہد عالمگیر بادشاہ فوجدار بلدۂ سرہند بود ہر چند خانہ زاد موروثی است لیکن چون ارکان سلطنت از احوال امثال چنین مردم غافل واقع شدہ از ہمابرادرانش بمعدی قلیل در رسالہ گذر خدمت می نماید حق تعالی سلامتش دارد۔

سرخ چہرہ ہے نہیں خون کسی کا یارو  باندھیو باندھ میرے لال پہ بہتان نکرو

محمد محسن متخلص بمحسن جوانیست نوخاستہ خلف الرشید میاں حسن کہ خواہرزادہ خان آرزو است طبعیش خیلے مناسب شعر افتادہ اگر چندے مشق خواہد کرد بسیار برتبہ خواہد گفت۔

یوسف مصر بھیجتا ہے کوئی
تجھ سے دلبر عزیز دلہا کو

حرف تیرے عقیق لب کا شوخ
زندہ کرتا ہے نام عیسیٰ کو

دور سے گئے وہ کوہکن و قیس کے چرچے
میرے جنوں کا ابتو زمانے میں ہے شور

میرا رنگ رواس قدر زرد ہے
کہ یہاں زعفران ابھی گرد ہے

اگر شیخ دوزخ میں گرمی ہے زور
مرے پاس بھی یک دم سرد ہے

بہتوں کا عاشقی میں یہاں کال ہو گیا ہے
اے دل ابھی سے تیرا یہ حال ہو گیا ہے

ٹک راہ پر تو آؤ اب سیر کرو کہ محسن
مانند نقش پا کے پامال ہو گیا ہے

تعزیت دار حسرت دل ہے
یہ جو گریہ کا جامہ آبی ہے

دل پر آبلہ میرا محسن
رشک آئینہ حبابی ہے

اس کے کوچہ میں ہے کچھ نالۂ شب کا چرچا
دیکھو تو کوئی میاں میرا تو مذکور نہیں

طبع نازک کو مرے ہاتھ میں رکھیو تو کہ میں
قیس و فرہاد سا دہقانی و مزدور نہیں

تنک ابرو ہلی عاشق الٹ گئے
مجھے تلوار سے اے شوخ جس ہے

کیا جانے وہ شوخ کدھر ہے کدھر نہیں
مجکو تو تن بدن کے بھی اپنی خبر نہیں

اس دشت پر خطر کا میں ہانشہ سوں جان ہوں
آدم کا ذکر کیا ہے ملک کا گذر نہیں

اے دیدۂ خانماں تو تو اپنا ڈبو چکا
اب رو تا ہے کیا جو کچھ ہونا تھا ہو چکا

محسن مرد ں نہ میں تو بھلا آج کے کیا کروں
ایک دل بساط میں تھا سو میں وہ بھی کھو چکا

دل میرا وابستہ ہر تار زلف یار ہے
ہے تو دیوانہ پر اپنے کام میں ہشیار ہے

اور یہ عاجز تمہارا کچھ نہیں رکھتا مگر
جان برلب آمدہ حاضر ہے گر درکار ہے

نہ پوچھ دختر رز کی تو مجھ سے کیفیت
لیئے ہی جاتی ہے دل وہ چنال اکھڑ نہیں

جاں بلب ہوں ہیں نکل جاوے نہ یہ جان کہیں
دل میں حسرت ہی ہی جاتی ہے آماں کہیں

تنگ نزع کی حالت میں ہوں میں اس بن
ہو بھی اے مردن دشوار تک آسان کہیں

جس دن تری گلی سے یہ [illegible] سفر کیا
ہر یک قدم پہ راہ میں پتھر جگر کیا

ضیا

میر ضیا بشاہد پرستی مشہور است ولیل و نہار باشاہدان روزگار محشور ظاہر
حالش آراستہ تمکین و صلاح است یمکن کہ باطنش نیز بخیر و فلاح باشد

جنت کا مت دو مژدہ مجھ عاشقیں سے کو
آرام وہاں بھی معلوم ایسے جلے بلے کو

جوں حباب اس جا نہ بھوسے ہیں یہ پل آ ہیں ہم
جب مراد اپنی کو پہنچے ہیں تو چل جاتے ہیں ہم

مغاں میخوار سب یہاں سے دلوں کا کام لے اٹھے
ہمیں ہیں نامراد ایسے کہ خالی جام لے اٹھے

قدرت

دانش آگاہ شاہ قدرت اللہ از بنائر شیخ عبد العزیز است کہ مزار شریف
ایشان پہلوئے جیپ کوشک واقع است در عنفوان شباب چندے چرگشے
کرد و بسودائے خدا پژوہی افتاد و باکثرت از مشائخ روزگار ورخور داز داماچوں
کارہا در کرد تقدیر است او را از صحبت تبرکہ ایں طائفہ کشاد کارے دست
نداد آخر حال بخدمت شاہ عشق اللہ کہ سر دفتر قلندران زمانہ بود ملاقات کرد
و بمقتضائے مناسب مزاج در اندک مدتے کار خود را باتمام رسانید بالجملہ
او را حالت شگرف حاصل است کہ ہیچ گاہ افاقت ازاں متصور نیست باوضاع
مختلفے میگذراند و یک طور مقید نیست بر احوال فقیر شفقت ہائے کند حق تعالیٰ
سلامتش دارد۔

وہ دن آتا ہے کسی کو نہ کوئی یاد رہے
نام مجنوں رہے نے شہرۂ فرہاد رہے

ہماری خاک پر جو کہتے یہ بلبل بقرار آئی
ارے کس نیند سوتا ہے دوانے اٹھ بہار آئی

آوے کیونکے پاویں جہاں ڈھونڈتے ہیں  کہ وہ بے نشاں ہم نشاں ڈھونڈتے ہیں
تمنا کو ہے مژدۂ نا امیدی  کہ وہ کس جگہ ہم کہاں ڈھونڈتے ہیں
اپنے سے ترک کرے یار ہو سکے یہ نہ ہو سکے  ایسے مقام سے کنارہ ہو سکے یہ نہ ہو سکے
چشم جو عین وصل میں رہتی ہے تشنہ جمال  ہجر میں ان سے انتظار ہو سکے یہ نہ ہو سکے
وعدہ سلسبیل پر ہمسے تو آج واعظا  ترک شراب خوشگوار ہو سکے یہ نہ ہو سکے
جاوے اے قدرت اس جگہ تو ہی ذلتیں اٹھا  اپنی تو آنکھ پھر دوچار ہو سکے یہ نہ ہو سکے

میر ابوالحسن وحشت چندے غزال روش بچراگاہ وجود ستانش گشتہ بصحرا عدم شتافت۔

میں تو شروع نزع سے کی تھی تجھے خبر  پہنچا تو اس گھڑی کہ مرا کام ہو چکا
گہہ گریۂ شب گاہ میں آہ سحری ہوں  جو کچھ ہے سو ہوں پر گرد بے اثری ہوں
جس پاس میں ہر جاتا ہوں سو منہ پھیرے ہے مجھ سے  گویا کہ میں گرد قدم رہ گذری ہوں
قاتل اگر کہے کہ سکتا ہی چھوڑیو  خنجر تو ایک دم کے لئے منہ نہ موڑیو
شیشہ نہیں جو مول لیا دیں گے پھر اسے  پیارے یہ دل ہے اسکو سمجھ کر کے توڑیو
گرد لگا اس دوانے دلکی میں تدبیر آنکھوں سے  لگی ہے بہنے موج اشک کی زنجیر آنکھوں سے
مثال عکس آئینہ نکل جاتا ہے جی میرا  جبھی ٹک دور ہوتی ہے تری تصویر آنکھوں سے
کہیں پھوٹ دیکھا ہے تجھے جب میں بلاتا ہوں  صریحا تو چلا جاتا ہے مجھے کہتا ہے آتا ہوں
جس سے ہوا آشنائی کا رشتہ نہ توڑیے  گھٹتی ہے اس میں توڑ کے کر پھر جوڑیے
نسترن ہے گل ہے سوسن ہے گل بادرنگ ہے  اے بہار باغ بے رنگی یہ کیا کیا رنگ ہے
بید مجنوں کی طرح جتنی بڑھی گھٹتی ہے  شجر عمر کی بالیدگی معکوسی ہے

سلام

محمد امین سلام ممک سخن بود شعر را نیکو می فهمید همراه لشکر نواب صفدر جنگ به پورب رفته ودیعت حیات سپرد۔

حدیث زلف چشم یار سے پوچھ — درازی رات کی بیمار سے پوچھ

بتا یہ تو قسم ہے تمہیں پیر مسبر کی — مسلخ میں بعد ذبح تحمل نہ کیجیو

لالہ کاشی ناتھ

لالہ کاشی ناتھ متوطن قصبہ پٹیالہ پسر نونده رائے پیشکار سیت از ناموزونی ناخن فرق حیثیوا نه کرد

مجھ دل کا اے طبیب کر علاج کر — مدت سے ہے یہ عشق کا بیمار دکھیا

جولان

میاں رمضانی جولان تخلص مرد عزیزے است در شیوۂ کمانداری خود را از اسا تذه بیشمر وگاه گاه بر سبیل ندرت یک دو مصرع ریختہ موزون می کند۔

رہتے ہیں رات دن خفا تجھ بن — جیو مینگے ہم سے شخص کیا تجھ بن

نرم لڑکے کی بنی صورت کڑی — رانگ کی تلوار یہ کس نے گھڑی

عارف

محمد عارف رفوگر در فن خود ہمتاو برنگ سوزن انگشت نماست از پیوند ہیکال صورت بستہ سخن سرائے بدست وے افتاد

ہر اوس معنی بانیک آوے دلیس اے عارف — اگر زلف سیہ کا پیچ منہ پر اس کے کھل جاوے

وخت رز سے کہہ کہ اس سے ملے — ورنہ عارف افیم کھاتا ہے

بسمل

بسمل آہنگ سخن گوئی دارد اما از کم بضاعت در گرد عاجز بیانی است چیزے کہ در دل او نرا ند بر لب اظہار نمی تواند آورد۔

لہو پی رہ گیا بسمل وگرنہ — ملا اپنے تیں وہ خاک خوں میں

شاغل خود راشاگرد بسمل گوید اما شعرش از استاد بسیار برتر است۔

لایق نہیں ہے اس کے تری فکر زلف ورخ ۔۔۔ شاغل کو روز شب ہے تیرا ذکر زلف ورخ

ہمرنگ ولاور خاں نام برادر حقیقی میاں یکرنگ است مزاج او بپیرایۂ سادگی دارد اکثر حرفہائے ناشمردہ برگذارند۔

خط مرا اس نگار نے نہ پڑھا ۔۔۔ کیا لکھا تھا کہ یار نے نہ پڑھا

میں تو لکھا تھا اوسکو خط ہمرنگ ۔۔۔ اس تغافل شعار نے نہ پڑھا

میاں محمدی بیدار از خواب روزگار است فہمے تیز و تند دارد از چندے تغیر لباس کرد باستغنائے تمام بسر برد ۔ ازوست

صفا الماس و گوہر سے فزوں ہے تیرے دنداں کو ۔۔۔ کیا تجھ لب نے ہمرنگ خجالت لعل و مرجاں کو

میر گھانسی از یاران میر محمد تقی است لختے از اسلوب سخن طرازی آگاہ است

تو ہوا در باغ ہوا ور زمزمہ کر نا بلبل ۔۔۔ تیرے آواز سے جیتا ہوں نہ مرنا بلبل

جیون مل کھتری است عشاق تخلص میکند میر محمد تقی او را عشاق فدوالحجہ گویند در عرف اہل ہند کہ عبارت از مردم اردو است عشاق زن چپٹی باز را گویند اکثر بگفتن شعر ریختہ و فارسی اشتغال دارد سلیقۂ سخن سنجی از تخلص ہے پیدا است۔

مر سبز خط سے دونا ہوا حسن یار کا ۔۔۔ آخر خزاں نے کچھ نہ اد پاڑا بہار کا

رسوا آفتاب رائے نام جوہری پسر بود شوریدگی دماغ بمرتبۂ اتم داشت اصلا مقید ملت نبود از ہر جا کہ چیزے بہم میرسد میخورد و اکثر سیاہی تا بہ بر چہرہ مالیدہ مست شراب در ڈولی نشستہ بکوچہ و بازار شہر می گردید خیل خیل مردم ہمعا صورت عجیب و غریبش ملاحظہ نمودہ ہمراہ او میگشتند مدت چند ماہ است کہ ہمیں احوال از جہاں رفت۔

قفس سے دور گئے ہم اور چمن میں جائے نہیں
اڑیں تو پر نہیں رکھتے چلیں تو پائے نہیں

آرام تو کہاں کہ تنگ ہو کے چپ ہوں
آنسو بہے نہیں رہے کہ بھلا رو کے چپ ہوں

وصل میں بیخود رہے اور ہجر میں بیتاب ہو
اس دوانے دل کو رسوا کس طرح سمجھائیے

یا ہر گلی میں گر پڑے ہیں مست ہو دیوار و در
ابر رحمت برستا ہے یا برستی ہے شراب

شیخ فرحت اللہ فرحت از اولاد قاضی مظہر خلیفہ شاہ بدیع الدین مدار است دلش از دست حریفاں بہ ستم رسیدہ و سودائے مفرط در دماغ پیچیدہ است گاہ گاہ در مجلس مراختہ کہ اختراع ایں بروزن مشاعرہ است بنظر می آید و بسیار جوشش و دل گرمی می نماید۔

یار اٹھ گئے جہاں سے اغیار رہ گئے
خالی ہے چمن ستی گل خار رہ گئے

نہیں ہے قدر تیری دو جہاں میں اے فرحت
کسو کے چشم سے جوں اشک تو گرا تو نہیں

آتی ہے صبا تجھ میں تو کچھ اور ہی بو آج
سچ کہہ تجھے سوگند ہے آتی ہے کدھر سے

ترا گناہ میاں ہم نے کیا کیا ہوگا
یہی مگر نہ دل اپنا تجھے دیا ہوگا

جو کچھ کہ ہم سے کسی نے کہا ہے جھوٹ کہا
میرا برا ہوا اگر میں نے کچھ کہا ہوگا

میری لوح مزار اوپر لکھنا
کوئی دل کو کسی سے مت لگانا

میر ہادی در کمال سعادت پرستی و نیک نہادی از قدیمان عنایت اللہ خاں کشمیری است دریں ایام بتقریب وزیر الممالک نواب غازی الدین خاں پایۂ امتیاز دارد و اکثر در انجاح حاجات خلایق کوششہائے بلیغ بکار می برد ابیات دیوانش قریب ہفصد بیت از نظر گذشتہ بعد یک دو ورق شعر با مزہ می آید

صدقے ترے ہو کے مر گئے ہم
کرنا تھا جو کچھ سو کر گئے ہم

غنچہ خنداں بیرا جدھر تو | گریاں گریاں ادھر گئے ہم
کہتے ہیں مسیح جس کے لب کو | ہاں جی اُسے دیکھ مر گئے ہم
نامے کو تو لے گیا ہے قاصد | دل دھڑکے ہے کیا جواب آوے

تخلص: عاقل

عاقل رائے سنگھ نام مردے سپاہی پیشہ متوطن پنجاب از آشنایان قدیم مرزا صاحب است طبع موزوں دارد گاہ گاہ یک دو مصرع ریختہ فکر می کند۔

نہ بس اپنے سے کیا اُس کو رخصت عاقل | جب مرا بس نہ چلا تب میں خدا کو سونپا
سخت مشکل ہے میاں تیری کمر کا جھگڑا | دل ہوا آنکھوں سے اب دست گریباں میرا
جب وہ کرتا ہے اُن لبوں کا وصف | عاقل اس وقت لعل اگلتا ہے

تخلص: عزلت

عزلت میر عبدالولی نام متوطن سورت مردے فاضل و عالم از بنائر حقیقت آگاہ شاہ عزیز اللہ سورتے است باوجود آبادی ظاہر بتعمیر باطن مشغول است در عہد سلطنت مرزا احمد بدار الخلافت تشریف داشت شاعر دوستے در مزاج او بمرتبہ بود بلکہ برائے مناسبت ایں طائفہ گاہ گاہ خود ہم دو سہ بیت موزوں می کرد۔

نہ پوچھو یہ بگولا ہے مرا ہم قول صحرا میں | یہ خاک حضرت مجنوں ہے ڈانوا ڈول پھرتی ہیں
سدھارے گل کہاں کر کر یہ سونی گلستاں اپنے | گئیں ہیں بلبلیں کدھر جلا کر خانماں اپنے
جس ہوش مجھ کو دیکھوں غفلت کی نیند لیوے | میں بخت خفتہ سب کا افسانہ ہو رہا ہوں
دل میں رندوں کے پھولا ہوا عمامہ شیخ | یارب اس بزم سے یہ زہر کا مکڑ جاوے
بجز رفاقت تنہائی آسرا نہ رہا | سوائے بیکسی اے وائے کوئی مرا نہ رہا
اوسکو پہنچی خبر کہ جیتا ہوں | کسی بدخواہ سے سنا ہوگا
نخل امید بیوفایوں سے | دل سلامت ہے تو پھل پایا

تجرد

میر عبداللہ تجرد شخصے است در دکھن بندہ از احوالش خبر ندارم زبانی
میر عبدالولی کہ احوالش گذشت معلوم میشود کہ شاگرد نست

تجھ رو میں لطف ہے سو ملک کو خبر نہیں — خورشید کیا ہے اوسکے فلک کو خبر نہیں

میر میراں نیز شاعر دکھن است ایں دو شعر بنام او در بیاض میر عبدالولی مسطور
نوشتہ یافتم دیگر احوالش معلوم فقیر نیست۔

آہ گر باغ میں وہ سرو خراماں گزرے — اشک قمری سے گلستاں میں طوفاں گزرے
بس کہ ہے آتش غم تیز در و دل میری — ناوک ناز ترا دل ستی سوزاں گزرے

نثار

میر عبدالرسول نثار از سر آغاز آگہے بقافیہ سنجی مشغول است پیش ازیں در
دہلی بسپاہی پیشگی می گذرانید دریں ایام بسابقہ آشنائے سادات انجا بطرف
امروہہ رفت

ٹک دیکھ تو چمن کا کیسا ہے ڈھنگ تجھ بن — منہ سے اڑا ہے گل کے گلشن میں رنگ تجھ بن
واں گل لگے پھرے ہے دستار پر تو اپنے — یہاں عاشقوں کے سر پر پڑتے ہیں سنگ تجھ بن
ہر سمت صد تمنا تڑپے ہیں خاک و خوں میں — ہے صحن خانہ میرا میدان جنگ تجھ بن
اکثر ہیں دلفگار و لیکن نہ اسقدر — کتنے ہیں بیقرار و لیکن نہ اسقدر
سونپا ہے تو نے قتل مرا غیر کے تئیں — ہوں تو گنہگار و لیکن نہ اسقدر
گھر بار جان و مال ہیں اس پر لٹا دیا — کرتے تو ہیں نثار و لیکن نہ اسقدر
ہاتھ سے اُن جامہ ہو کے نکل جاویں بیگے ہم — یہ گریباں دامن صحرا کو دکھلاویں گے ہم

خواجہ اکرم

خواجہ اکرم مردے است نیکو سرشت اکثر اوقات بر دیدہ میر جعفر بر طرازہ
و گاہ گاہ غزل ریختہ نیز فکر می کند چوں بر نوشتن ایں بیاض او را وقوفے حاصل شد

یک قطعہ متضمن بر تاریخ کہ بعد ازیں مرقوم خواہد شد موزوں نمودہ مع دیگر ابیات پیش فقیر آورد ازنجاکہ مادۂ تاریخ مناسب نام کتاب بود بنا رعلیہ بہماں اسم موسوم نمود۔

قائم رکھے ہمیشہ خدا تیرے نام کو ۔ کرنے سے ذکر خیر کے ہے موجب نجات
تاریخ اس کتاب کی میں نے کی جب تلاش ۔ پیر خرد نے مجھ سے کہا مخزن نکات
یکبار میرے دیر میں زاہد اگر آوے ۔ میں جانوں جو مسجد کی طرف پھر نظر آوے
صبا کہہ شوخ کی باتیں تیرے پیغام کے صدقے ۔ نہیں لب سے کم لذت میں اس دشنام کے صدقے
فصل گل میں بے سبب ایں بلبلیں کرتی ہیں دھوم ۔ ہر ورق پر گل کے اسکی ناز کی تحریر ہے
نالے میرے سے کوہ بھی ہوئے تو کل سکے ۔ پر آہنی دلی سے ترے کچھ نہ چل سکے

سلیمان

سلیمان نظر یافتہ میر عبدالحی تاباں است از بدو حال تا سر آغاز شباب بخدمت اومی گذارند چوں آن مہ تاباں از نیرنگی سپہر زنگاری در پردۂ کسوف فنا متواری گردید ایں بابا چندے تبلاطم حوادث ساختہ آخر کار بکنارۂ تالاب فرید آباد اقامت گزید چودھری آنجا بر حقیقت حالش اطلاع یافتہ بسلوکے کہ شایاں خدمت باشد پیش آمد چنانچہ تا حال بلباس فقر بہماں جائگاہ بسر می برد۔

تجھے ظالم سے ملا دیکھ تو طرارئ دل ۔ کچھ بھی دھڑکا نہ کیا بل بے جگرواری دل

مرزا

مغل بیگ زار تخلص از یاران میر محمد تقی است باوجود کم بضاعتی و نو مشقی طرز کلامش خالے از انداز نیست

بیت

مشہور تھے جو نالے میری گلی میں اوس کے ۔ کوئی اور بھی جو رد یا سمجھا کہ زار ہوگا

میاں مائل محمدی نام اصلش دارالخلافت شاہجہاں آباد است باوصاف حمیدہ

واخلاق پسندیدہ اتصاف دارد اور اور سخن طرازی طرزے مخصوص است و ازانجاکہ شعر خود از نظر شاہ قدرت اللہ خاں می گذارند بپرتو صحبت آں یگانہ زمانہ آتش شوق بکاشانہ باطنش جلوہ افروز۔

اتنا میں مر کے دل سے ترے دور ہو گیا — اک دن بھی آکے تو نہ سر گور ہو گیا

مائل کرے کا کب تیں گالی کا اسکی ننگ — اس بے ادب کا اب تو یہ دستور ہو گیا

جلوہ کرنے مدرسے ہی میں تو اے جانانہ تھا — دیر بھی دیکھا تو تیرا خاص خلوت خانہ تھا

حال کہنے کی نہ دی گریے نے فرصت رات کو — آج پھر کہوا اسے مائل وہ کیا افسانہ تھا

غلط کہتے ہیں کہ معشوق زر سے ملتا ہے — کرے ہے کام محبت سو زر نہیں کرتا

بتو نسے مل کے گنوا تم نے دین و دل مائل — یکافر آہ خدا کا بھی ڈر نہیں کرتا

نالہ کو ہم نے ضبط کیا ناصحا تو کیا — منہ سے تو رنگ زرد چھپایا نہ جائیگا

اشک کی طرح گرا جب تو پھر اٹھنا معلوم — میں وہ افتادہ نہیں ہوں کہ سنبھل جاؤنگا

کیوں نکالے ہے مجھے ہر گھڑی اپنے گھر سے — میرے رہنے سے تجھے کیا ہے خلل جاؤنگا

غیر کے پاس کھڑا تھا میں کہا جا یہاں سے — کہنے لگا کہ تجھے کیا ہے بے چل جاؤنگا

تو تو مجھ پر ایک دم غصہ ہو پھر سوتا رہا — شمع کی مانند ساری رات میں جلتا رہا

ہے قسمت جو تجھ دید سے دور رہنا — تو بہتر ان آنکھوں سے ہے کور رہنا

اگر یاد میں اس کی گریاں نہو دیں — الٰہی ان آنکھوں میں ناسور رہنا

میاں تو اس آزار سے دور رہنا — خدا اپنے بیمار سے دور رہنا

معلوم کچھ نہیں دل غمخوار کی خبر — کیا جانے کہ کیا ہے میرے یار کی خبر

بازاریوں نے گو تجھے کچھ کچھ کہا تو کیا — کب معتبر ہے کوچہ و بازار کی خبر

ہو جانہ رفتہ رفتہ تپ عشق کارگر — مائل تنا بلے تو اس آزار کی خبر

کیا کیا کہوں میں تجھ سے دل زار کی ہوس — مشہور ہے جہان میں بیمار کی ہوس

ہونے دے قیمت آگے ہی اے دل بکا نجا — دیکھیں کہاں تلک ہے خریدار کی ہوس

عجب صحبت یار آئے ہے ان وونوں کی آپس میں — جدا اک دم نہیں رہتے جہاں ہو گل وہیں بلبل

سب ماہ ہیں تمہارے اغیار ہیں تو ہم ہیں — آنکھوں میں یہاں سبھوں کے ایک خار ہیں تو ہم ہیں

چنگا بھلا ہے تو تو پیارے تیری بلا سے — آزار ہے تو ہم کو بیمار ہیں تو ہم ہیں

مائل ہے یار و مرد مسلماں پہ یہ ستم — اللہ کا بھی اس بت کافر کو ڈر نہیں

پیا پے ساقیا دے مجکو بھر بھر جام گلشن میں — کہ دونا لطف رکھے ہے مے گلفام گلشن میں

مجھے آہ و فغاں ان ہمصفیروں کا خوش آتا ہے — وگرنہ مجھ سے دیوانہ کا ہے کیا کام گلشن میں

نالے میں شب کے فرض کیا میں اثر نہیں — اے آہ صبح تو بھی تو کچھ کارگر نہیں

کچھ تعجب نہیں گر مر گیا مائل تیرا — یار کیا لگتا ہے انسان کے مرجانیکو

کہتا نہ تھا میں باز آ ہر دم کی اس ہنسی سے — آخر گیا نہ ظالم ایک بیگناہ جی سے

ہے وہاں کثرت سی پروانوں کی فانوس میں — جہاں وہ شوخ شمع انجمن ہے

دل بجان عشق میں کچھ لطف طرحداری ہے — تیری سرکی سوں میری جان بڑی خواری ہے

مار بھی تو فکر نہ کر تو کہ یہ تو بات — مشہور ہے کہ مار کے پیچھے سنوار ہے

ممتاز

واجب الاعزاز حافظ فضل علی المتخلص بہ ممتاز ۔ بلند فطرتے موصوف و معاملہ دانی معروف است ۔

رباعی

ممتاز کہ ہے تمام ایک عجز و نیاز — دلکش ہیں ملاقات کے اسکے انداز

تنہا نہ اسے فنِ سخن میں ہے دست — ہر فن میں بفضلِ تعالیٰ ممتاز

از انجا کہ خلاصۂ طبیعتش مائل فقر و قناعت است فقیر مولف نسبتے خاص دارد آلہی موافق استعداد از نعمتِ کونین نصیبہ اش باد۔

جستجو سے بخوشی ہاتھ اوٹھایا ہم نے — ورنہ کس چیز کو ڈھونڈھا کہ نپایا ہم نے

عشق کے غم سے کوئی عیش مقدم نہ سمجھ — یہ عجب طرح کی شادی ہے اسے غم نہ سمجھ

جان تو حاضر ہے اگر چاہیے — دل بھی دینے کو جگر چاہیے

آرام

آرام رائے پریم ناتھ نام خلف الرشید رائے کشن ناتھ از قوم کہتری است ظاہر حالش چوں طبیعت خویش موزوں و موزونے طبعش از خوبے ظاہر افزوں خطاط بے نظیر و کماندار عدیم المثال است والد شریفش در پیشکاری دیوان تن دارد چوں ایں عزیز را در وار سے معاملات بہ از خود دیدہ در عین حیات ملی عہد خویش گردانیدہ است غزل فارسی بکمال تازگی و پرکارے فکر کند و گاہ گاہ یک دو بیت ریختہ نیز سر انجام دہد۔

نظر

ان بولنا سجن کا میٹھا لگے ہے جی کو — خاموشی ان لبوں کی کب چپ ہے مٹھائی

آشنا

آشنا تخلصے از سخن طرازی آشنا است بعضے اشعار از نتائج فکرش ہم رنگ و تہ دار بر می آید۔

جو کوئی چشم تر نہیں رکھتا — درد دل سے خبر نہیں رکھتا

کس طرح دل میں جا کروں اس کے — نالہ میرا اثر نہیں رکھتا

آشنا کے تو حال سے ظالم — اک ذرا بھی خبر نہیں رکھتا

کبھی تو مہرباں ہو ہم پر اے بت — کہ آخر ہم بھی ہیں بندے خدا کے

جل گئیں مجھ کو رکھ تو سینہ فگار — کہ ترا اس میں نام ہوتا ہے
عشق ہے خوب نہیں اتنی بھی جلدی اے دل — دیکھ تو بے تو گرفتا کہاں ہوتا ہے
آشنا حیف تری قدر نجانی اس نے — ورنہ سمجھا تو وفا دار کہاں ہوتا ہے
نہیں معلوم کس کے غم میں ہے یہ بیقرار تنہا — نہ پایا اس دل بیتاب کا کچھ مدعا ہم نے
آشنا کیا جانے کہ آخر کو — تجھ سے ہے خانہ خراب کی صورت
عالم میں ہے جو کوئی نالاں ہے تجھ ستم سے — ہاتھوں سے تیرے شکوا ظالم کہاں کریں ہم

میر یادگار علی سید تخلص جوانے است سپاہی پیشہ از سادات قصبہ بہادر پور که مشہور ضلع میوات است طبع موزوں دارد اکثر غزل ریختہ فکر کند از بسکہ متصل فقیر خانہ باشد ہمیشہ اتفاق ملاقات میشود خداش زندہ دارد۔

خدا کے واسطے صیاد تہ کر اب تو دام اپنا — کہ گلشن سے لیا ہے تو نے خاطر خواہ کام اپنا
شورشیں باقی ہیں دل میں تس پہ آتی ہے بہار — دیکھیے کیا کیا شگوفے اب کے لاتی ہے بہار
کیا اب امید کریں وصل کی ہم مرتے — عمر تو کٹ گئی دکھ ہجر کے بھرتے بھرتے
کیا کہوں اپنی میں نحوسی طالع سے کہ چند — آ دتا ہے مرے ویرانہ پہ ڈر ڈرتے
میاں سرمایہ اپنی مفلسی کا — یہی اک دل تھا سو تیری نظر ہے

نور بصر میاں غلام حیدر خلف رشید حضرتم مرزا صاحب است طبع سلیم و فہم درست دارد اگر دنبال انداز گوئی والا ہمتے گیرد باندک رمئے اصلاح پذیرد

عالم از بسکہ تری شوخی و بیدادی ہے — جو کوئی ہے سو ترے ہاتھ سے فریادی ہے
پوچھا کیا ہے خبر مجھ سے جہانگی اے یار — سب ہے اوجڑ ترے کوچہ میں اک آبادی ہے

لالہ خوشوقت رائے شاداب مولد او قصبہ چاندپور است ہیولائے استعدادش

قبول تربیت آسانی کند از نثر نویسی نصیبہ وانی اندوختہ با قران و امثال خود باعزاز و امتیاز بسر می برد از بسکہ بسیار موءدب و مہذب است جائے او در خلوت سرائے دلہا خالی است گاہ گاہ بایمائے فقیر بگفتن ریختہ میکردید۔ از وست۔

دیکھ اس کے رخ پہ زلف سیہ فام کھل گئی | کیا زیب دے ہے کفر نے اسلام کے تئیں
بس ہو چکی شفا دل آزار کے تئیں | اے کاش موت ہو ترے بیمار کے تئیں
کہتا ہیں نہ شیخ کر پڑھ قبلہ رونیاز | گر دیکھتا اس ابروے خمدار کے تئیں
جب تلک ہو کام مژگاں سے تو ابروپہ چڑھا | تیر کے ہوتے بھی کھینچے ہے کوئی تلوار کو

مقبول خاطر ارباب صفا لالہ نول رائے متخلص بوفا جوانیست نوخاستہ بجمیع صفات آراستہ و پیراستہ جدت ذہن و جودت فہم اصابت رائے و لطافت مزاج بمرتبہ اتم دارد ہمین برادر زادہ گلاب رائے دیوان مدار المہام امیر الامرا نواب نجیب الدولہ بہادر است و این عزیز بہ تحصیل بعضے پرگنات آن روئے گنگ نیز اشتغال دارد طلب بر کمال دامنگیر حال اوست گاہ گاہ دو سہ مصرع ریختہ بشستگی و رفتگی سرانجام دہد۔

عارض پہ تمہارے یہ پسینا | ہیرے کا ہے لعل پر نگینا
اس غم میں بھی اگر رہا سلامت | پتھر سے بھی سخت ہے یہ سینہ
کہتے ہے کس سے دل احوال اپنا | پڑا ہے یہاں ہیں جنجال اپنا
خجل ہوں ابر طوفاں بار کتنے | نچوڑوں ٹک اگر رومال اپنا
ہووے گا دل سے محو غم یار کب تلک | کیوں ہمنشیں یہ جاویگا آزار کب تلک
کہنے لگا وہ سن کے میرا نالہ و فغاں | یارب جیا کرے گا یہ بیمار کب تلک

شعلہ و سہم باؤ سے ہوتا نہیں اے اہل بزم
شمع سر دھنتی ہے گر کر پاؤں پہ پروانے کے تیں

شیخ کچھ فرق سے تیرے ہی نظر آتے ہیں
ورنہ ہے ایک ہی کعبہ و بت خانے میں

کیوں تو کرتا ہے گور سے نفرت
آخر ایک دن وہی ٹھکانا ہے

کس گل تازہ نے اس باغ میں کی جلوہ گری
ہم نہ داغ سے جسکے نہ خریدار ہوے

پوچھو ہو کیا کہ حال ترا کس طرح سے ہے
کیا جانتے نہیں ہو میاں جس طرح سے ہے

کل دل کو لیا مکر گئے آج
بس آپ کا اعتبار دیکھا

ہے جلوہ گر وہ ہم میں پر آلودگی سے دور
جس طرح عکس آب میں ہو ماہتاب کا

ہوتے تو دل اسیج میں گرفتار ہو گیا
اب چھوٹنا پہ زلف سے دشوار ہو گیا

سمجھے صفائی شست تیری چشم کا وہی
جس کے جگر سے تیر نگہ پار ہو گیا

دینا تو دل نہ آپ کو مقصود تھا ولیک
جب مل گئی یہ آنکھ میں ناچار ہو گیا

ایسے مزاج بھی کہیں دیکھیں ہیں باوفا
کیا بات تھی جو رات وہ بیزار ہو گیا

پھر دم سر وجود دل ہو سکے گرم فغاں
شغل تھوڑا بھی بھلا ہوے ہے بیکاری سے

کوچۂ عشق کی ہے راہ خطرناک دنا
جو قدم یہاں تو رکھے یار تو ہشیاری سے

کچھ خیریت نہیں نظر آتی مجھے کہ آج
لگتے ہیں اوس کے کان سے اغیار دمبدم

اپنی ہی چشم کیتی تاب نظر نہیں
ورنہ وہ آفتاب کہاں جلوہ گر نہیں

حسن عمل پہ اپنے نہ بھول اسعد کہ شیخ
وہاں کے معاملے سے کسی کو خبر نہیں

الفت دل کیا زیادہ ہم سے ہے اغیار کے
یہ جھے ہے لیکن نرالی ہی کچھ اپنے یار کی

جوں اشک نت پھرا و ٹھا زمین سے
یارب میں گرا ہوں کس نظر سے

آنے کا میرے وہ دشمن کے چرچا
نکلا نہ تمام روز گھر سے

آیا کبھی نہ ہوش میں اپنی تمام عمر
بیماری وفا بھی بنوبہ سے مستانہ ہو گیا

عشق میں امتیاز رتبہ نہیں
خاکپاے ایاز ہے محمود

بت سے لیتے ہیں کام حضرت حق
شیخ ٹک دیکھ اعتقاد ہنوز

دل کو کہیں ہے جی میں گرفتار کیجیے
یعنے کسی صنم کتیں پیار کیجیے

گر مانگتا ہے جی کتیں دیجیے وفا
کیا چیز ہے کہ دوست سے انکار کیجیے

حباب آسا نہ بھول ہستی پر اپنی
کہ غافل کیا بھروسا ہے نفس کا

دکھ نہ دے اسقدر وفا کتیں
عاقبت وہ بھی جان رکھتا ہے

اپنی غرض کو ہم تو بھی کچھ سہیں گے لیک
ہوتی ہے گالیوں سے تمہاری زبان خراب

بسکہ اپنے انقلاب بخت سے ڈرتے ہیں ہم
بستر گل پر بھی لرزاں ہی قدم دھرتے ہیں ہم

گل کا عذار گر کیا بھی اون نے اے محرم تو کیا
یہاں تو بیتابی سے دل کی آج ہی مرتے ہیں ہم

یک راہ کوئے زلف سو سربستہ اے وفا
ہم آہ کس طرف کتیں لیں سراغ دل

نوبت غم فراق میں پہنچی ہے جان تلک
ظالم شکیب و صبر بھی آخر کہاں تلک

اس کو منظور یہاں سے جانا تھا
گریہ میرا فقط بہانہ تھا

دل نہ کرنا تھا اس طرح سے خراب
عاقبت وہ ترا ٹھکانہ تھا

پھول بہتے لب دریا جو نہ دیکھے ہوں تو آ
ساتھ آنسو کے ہیں یہاں قطرۂ خوناب رواں

کشت اپنی نہ ہوئے سبز فلک سے گلا ہے
ہے وفا آٹھ پہر کوچہ دولاب رواں

عدم کے جانے سے کیا حیف ہے عزیزاں کے
کہ کوچ ادھر ہی کو ہے صبح و شام اپنا بھی

بیچے ہے یک نگاہ پہ دل کتیں وفا
لینا ہو گر تمہیں تو کچھ اتنا گراں نہیں

حال دل کیوں کے کہوں اس سے وفا خلوت میں
جی دھڑکتا ہے کہ کوئی پس دیوار نہ ہو

رضی وہ ہو کے رات سحر میں بجل گیا | عنقا پھنسا تھا دام میں لیکن نکل گیا
اتنا نہ تنگ ہو مرے رہنے سے یہاں کہ میں | یہ ہی نہ شوخ گر نہ گیا آج کل گیا
ہے کشونمے میں پا پانگیوں نے رنگ میں | مل رہا ہے وہ طرح پانی کے ہر یک رنگ میں
ایکدم بد بیر رفتن کی نہ ہم ایواے جہل | عمر صد سالہ گنوا دے فکر نام و ننگ میں

شعلہ زن ہے ہمیشہ داغ اپنا | بجھ نہیں جانتا چراغ اپنا
یہاں تک از خویش رفتہ ہوں کہ مدام | آپ کرتا ہوں میں سراغ اپنا

ساتھ تجھسے کی اگر مہر و وفا کی ہم نے | عفو کر عفو کہ اے شوخ خطا کی ہم نے
عقدہ پر عقدہ کئے چرخ نے مضبوط اگر | اک گرہ رشتہ مقصود سے وا کی ہم نے
ڈر ہے اسوقت کا ظالم کہ لہو مل منہ سے | جس گھڑی رو بفلک ہو کے دعا کی ہم نے
ورونے ولکی سر سوے تفاوت نکیا | اپنے سے کتنے ہی دارو دوا کی ہم نے

نہ کشتی پار ہی بہ گرگئی اپنی نہ وار آئی | ہوے ہم غرق دریا اس گھڑی جب عین منجدھار آئی

بیتاب

سنتو کہ اب بیتاب کم دماغ و خلوت دوست است رنگ سخن و ربط کلام نیکو فہمد شعرش روز بروز در ترقی است انشاء اللہ تعالیٰ بزعم تا تواں بینی روزگار و در اندک مدتے بہار فکرش رنگے دیگر پیدا خواہد کرد با فقیر قدم دوستی دارد او تعالیٰ برعمرش بیفزاید۔

نہ ہے باغ جہاں میں کبھو آرام سے ہم | پھنس گئے قید قفس میں جو چھٹے دام سے ہم
اپنے مذہب میں ہے اک شرط طریق اخلاص | کچھ غرض کفر سے رکھتے ہیں نہ اسلام سے ہم
گو کہ تجھ لطف کے قابل دل رنجور نہیں | پر تیری بندہ نوازی سے یہ کچھ دور نہیں
قصر شہ دیکھا ہیں اور کلبہ درویش بھی یہاں | بہر آرام کوئی خانہ بہ از گور نہیں

نصیحت کی بھی کچھ ہوتی ہیں کیا اے ہمنشیں راہیں
کہ خوباں یوں ہمیں دیکھیں ہم انکو اس طرح چاہیں

ادھر نالا کیا ادھر وہ مضطر ہو چلا آیا
عجب دن تھے وہ جن روزوں میں رکھتی تھیں اثر آہیں

کر کشاکش سے نفس کے دل کا روشن آئینہ
مصقلہ کے فیض سے ہوتا ہے آہن آئینہ

اہل دل تزئین ظاہر کے نہیں طالب کبھو
خانۂ چوبیں میں نت رکھتا ہے مسکن آئینہ

آہ دی سینے میں آتش کون سے بیدرد نے
دل سے لیکر منہ تلک اٹھا ہوا ایک دود ہے

لگے ہی مقبول کو بیتاب یہاں ہر جا قبول
وائے اس پر جو کہ اس درگاہ کا مردود ہے

سبزے پہ اس کے خط کے نہ مارا گیا ہے ایک
اس گلزمیں میں کھیت ہزاروں جوان کا ہے

جی میں ہے اسکی بات میں اب پھر نہ بولئے
لیکن کسی طرح جو یہ کافر زباں رہے

مدت سے انتظار میں اپنی کٹی ہے یہاں
ابتک جو ہم نہ آئے الٰہی کہاں رہے

یوں رہے ہے شام غم کا اسل محزوں کی جاں
جسطرح کٹتی ہیں گھڑیاں اہل صوم افطار کی

خانۂ مسجد بنا کرنے سے کیا حاصل تھا شیخ
کاش اس جاگہ دکاں ہوتی کسی خمار کی

میں اور اقبال عشق ہو کا اوسکے یہ کیا ممکن تھا لیک
عقل نہیں رہتی جب آتی ہے گھڑی ادبار کی

میں تو اے بیتاب توبہ کی نہیں پینے سے مے
گو کہ نادانی سے اپنی میں نے استغفار کی

محبت ابتلک رکھتی ہے یہ تاثیر مجنوں کی
کہ بن لیلیٰ نہیں کھنچتی کہیں تصویر مجنوں کی

نہ ہو یارب جدا سر سے میرے اس زلف کا شانہ
ہے نامعمول پیچھے بید کے تصویر مجنوں کی

کسی لیلیٰ وش کو تو نہ اب بیتاب دل دیجو
کہ دیوانے نصیحت ہے یہ اپنے پیر مجنوں کی

ہیں گر افتادگان کوئے تو نومیدی سے ہاں لیکن
توقع ہے تو ہی تیرے کرم کی دستگیری ہے

عشق میں گل ہے وصل کے نیش ہے
نت نیا یہاں ماجرا درپیش ہے

شب مجھے رہنے دے کیونکر اپنے پاس
گو ہے وہ لڑکا پہ دور اندیش ہے

عجب ہے ناف تک یہ زاہدا ریش ہے یار مکر و کیش ہے
خدا کسی کو گرفتار زلف کا نہ کرے نصیب میں کسی کافر کے یہ بلا نہ کرے

رباعی

یہاں آکے ہم اپنے مدعا کو بھولے مل مل غیروں سے آشنا کو بھولے
دنیا کی تلاش میں گنوائے سب عمر اس مس کی طلب میں کیمیا کو بھولے

آوردہ انواع جرائم فقیر مولف قیام الدین، قائم ہر چند از باشندگان قصبہ چاند پور است اما از بدو شعور تا ایں حال بتوسل نوکری بادشاہے بدار الخلافت شاہجہاں آباد گذارندہ ولیل و نہار بمقتضائے مناسبت بصحبت سخن سنجان عالی مقدار بسر بردہ دریں ایام کہ رشتہ سلک انتظام مردم بادشاہے بصدمہ انقلاب سلطنت از ہم گسیخت و ہر یکے چوں لآلئے آبدار بر خاک مذلت افتادہ رو بہر سو نہادو چار و ناچار بلکہ بے اختیار ارادہ سفر برائے اقامت غالب آمد فرصت را غنیمت انگاشتہ مصمم ساخت کہ لختے از روزنامچہ اعمال و برخے از جریدۂ احوال ہر کدام بتقیید قلم در آوردہ در حالت جدائی انیس تنہائی سازد بالجملہ بعد بسیار دو کد بیشمار ترقیم ابیات و تصحیح حالات سخنوراں متقدم و حال میسر گردید و ایں طے سال نہار پیوند دیں ابیات مجموعے بنظر ارباب بصر جلوہ گری بخشد او سبحانہ تعالیٰ ایں مصاحب صد زباں را بدست آرزو مندہر جنس سخن اندازد و از چشم بد نافہم مصئون داشتہ بحفظ حمایت خویش محفوظ دارد۔

یارب ایں آرزوئے من چہ خوش است تو بدیں آرزو مرا برساں

نیو اشتم کہ باوجود اشعار اعزہ باستکتاب خویش نہ پردازم و دل ہوس بیمار

را ازیں اندیشہ فضول خالی سازم چہ نور نجوم در برابر ماہ تاباں معدوم است
و جلوۂ ذرہ بحضور خورشید رخشاں معلوم اما بحکم کلیہ استاد کہ گفتہ است۔

بدریائے در و صدف نیز ہست — درختے بلند است و در باغ پست

جسارتے بکار رفت تقایم۔

دل پاکے اس کی زلف میں آرام رہ گیا — درویش جس جگہ کہ ہوئی شام رہ گیا
جھگڑے میں ہم مبادی کے یہاں تک پہنچے آہ — مقصود تھا جو اپنے تئیں کام رہ گیا
قسمت تو دیکھ ٹوٹی ہے جا کر کہاں کمند — کچھ دور اپنے ہاتھ سے جب بام رہ گیا
نے تجھ پہ وہ بہار ہے اور نے یہاں وہ دل — کہنے کو نیک و بد کے ایک الزام رہ گیا
اے ابر اپنے گریہ میں جس وقت جوش تھا — جو قطرہ اشک تھا سو طوفاں بدوش تھا
کسکی نگاہ گرم تھی گلشن پر اے نسیم — شبنم سے برگ گل لب تبخالہ جوش تھا
کیونکر کہوں کہ مست کیا کسنے میرا دل — تھا ایک چراغ گور سو وہ بھی خموش تھا
پھیر کے جو شوخ نظر کر گیا — تیر سا کچھ دل سے گذر کر گیا
خاک کا سا ڈھیر سر رہ ہوئیں — قافلہ عمر سفر کر گیا
خون شرر کاغذ آتش زدہ — شام غم اپنی ہیں سحر کر گیا
جلوہ کس جا پہ نہیں اس بت ہرجائی کا — یہ پریشاں نظری جرم ہے بینائی کا
چھوڑ تنہا مجھے یارب نہیں کیونکر گذری — غم جو نہیں آٹھ پہر تھا مری تنہائی کا
عار ہے ننگ کو مجھ نام سے سبحان اللہ — کام پہنچا ہے کہاں تک مری رسوائی کا
ٹکڑے کب غم نے یہ جگر نہ کیا — نہ کیا نالہ ہم نے پر نہ کیا

دل سے طوفانِ گریہ اٹھے ہزار
پائے دیوار دوست یک شت

بیچ گرداب کی طرح ہم نے
کار دنیا پڑا سپہر کے ہاتھ

دل نہ دنیا ہی خوب تھا پر حیف
بارہا دل گیا اسی رہ سے

دوس کیا دیکھیے جور کو قائم
ٹوٹے جو کعبہ کونسی یہ جائے غم ہے شیخ

ہے آپ سے بھی توقع غلط کہ ناخن فلک
کہاں ہیں دیدہ گریاں کہ اب بقید عمر

فلک جو دے تو خدائی کو لے ہے اب قائم
میں نہ وہ ہوں کہ تنک غصے میں ٹل جاؤنگا

ہم نشیں کبھو تقریب تو خب باشی کی
دل میرے ضعف پہ کیا رحم تو کھاتا کہ نہیں

سیر اس کوچے کی کرتا ہوں کہ جبریل جہاں
آپ جو کوچے سے تیرے جائیگا

دل کہاں تک اٹھائے جور ترے
غم نطاساتھ سوچ کے لگ لے

تمت بالخیر